الارض للہ

دیہہ خدایا ، یہ زمیں تیری نہیں ، میری نہیں
تیرے آبا کی نہیں تیری نہیں ، میری نہیں

اقبال

پاکستان کے دیہہ خدا

از

اے ، آر ، شبلی

دس روپے

بار اول

۱۹۷۳ء

طابع

سن بیم آرٹ پریس

چیمبرلین روڈ - لاہور

ناشر

قمر تسکین

پیپلز پبلشرز

۱۲ - لاہور روڈ - لاہور

نیوز پرنٹ پرمٹ نمبر

3 (13) 71-A B C/4904/7074

شماریات کے فاضل اجل

میرے استاد ، میرے رہنما

حسن علی سید

کے نام

جنہوں نے اعداد و شمار کی پر پیچ
اور تاریک راہوں کو اجالنے میں
میری ہمیشہ رہنمائی کی -

فہرس

پیرایہ آغاز

اکتوبر ۱۹۶۸ء میں جب صدر ایوب نے اپنے دس سالہ دور اقتدار کا ''جشن فتح یابی،، منایا تو ایک طرف اخبارات اور ریڈیو گلا پھاڑ پھاڑ کر کہہ رہے تھے کہ پاکستان کی زراعت معاشی نمو کے ایک ایسے مرحلہ پر پہنچ چکی ہے جہاں کھیت سونا اگلنے لگے ہیں اور دیہات میں سیم و زر کی وہ ریل پیل ہے کہ اسے سمیٹنے کے لئے بنکوں کے آہنی صندوقچے بھی اعتراف عجز کر رہے ہیں۔ دوسری طرف مجھے گاؤں سے اپنے عزیزوں اور بزرگوں کے خط پر خط موصول ہو رہے تھے کہ مہنگائی نے اُن کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ ۶۵ء کی جنگ کے بعد نہریں سوکھ گئی ہیں، ٹیوب ویل بند پڑے ہیں، بیج اور کھاد خریدنے کی اُن میں سکت نہیں، مالیہ اور آبیانہ کے عفریت سے جان چھڑانے کے لئے اُنہوں نے بھینسیں بیچ ڈالی ہیں اور اب وہ زندہ رہنے کے لئے اپنے شہری رشتہ داروں سے اُدھار مانگنے پر مجبور ہیں۔۔۔!

زراعت کاروں اور سرکاری ماہرین معاشیات کی اس تضاد بیانی پر مجھے قدرتی طور پر حیرت ہوئی۔ میں نے موقع پر پہنچ کر

جائزہ لیا تو کسانوں اور دہقانوں کو جھٹلانے کی کوئی وجہ نظر نہ آئی۔ اس کے بعد زرعی کمشن کی سفارشات اور صدر ایوب کی اصلاحات کا بغچہ اٹھا کر جب پنجاب، سرحد اور سندھ کے بعض دیہات میں گھوما تو قدم قدم پر سبز انقلاب کی سبز قدمی کی چھاپ دکھائی دی۔ ۵۹ء کی اصلاحات اراضی نے جہاں بڑے زمینداروں کو اور بھی بڑا بنا دیا تھا وہاں چھوٹے زراعت کاروں، زرعی مزدوروں اور بے زمین مزارعوں کو اس قابل بھی نہ چھوڑا تھا کہ روح و جسم کا رشتہ برقرار رکھ سکیں۔

پاکستان میں زرعی اصلاحات کے نفاذ کی تین مرتبہ کوشش ہو چکی ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ نتیجہ خاطر خواہ نہیں نکل سکا، اور زرعی لحاظ سے پاکستان آج بھی دوسرے ممالک کے مقابلہ میں اتنا ہی پسماندہ ہے جتنا پہلے تھا؟ میرے نزدیک اسکی وجہ بجز اسکے کچھ نہیں کہ زرعی اصلاحات وضع کرتے وقت پسماندگی کے بنیادی اسباب پر غور نہیں کیا جاتا۔ پاکستان اگر زرعی لحاظ سے پھسڈی ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہاں عمدہ بیج، کیمیاوی کھاد اور کرم کش ادویہ استعمال نہیں کی جاتیں بلکہ یہ ہے کہ ستر فیصد مزروعہ اراضی پر بالواسطہ یا بلاواسطہ پرانے جاگیردار اور نو دولتئے

قابض ہیں جن کو زراعت سے اسکے سوا کوئی دلچسپی نہیں کہ وہ مزدوروں کے خون سے اپنا چراغ اقتدار روشن کرتے رہیں ۔ بد قسمتی سے اب تک جتنی حکومتیں برسر اقتدار آئیں وہ عوام کی نہیں ، مفاد پرست طبقہ کی نمائندگی کرتی رہیں ۔ اُنہوں نے پرانا نظام قائم رکھنے کے لئے نوکر شاہی ، عسکریت اور بیرون ملک کی استعمار پسند طاقتوں کا سہارا لیا ۔ نتیجہ ظاہر ہے ۔ ''زرعی اصلاحات'' کے نام پر جو بھی قدم اٹھایا گیا اُس کا فائدہ خود برسراقتدار طبقہ کے سوا کسی کو نہ پہنچ سکا ۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ سابقہ حکومتوں کے دور میں جو اصلاحات عمل میں آئیں اُن سے کم از کم یہ فائدہ تو پہنچا کہ زراعت کے شعبہ میں روپیہ آنے لگا ۔ اور ''سرمایہ کاری'' بہر صورت ''سرمایہ داری'' کے مقابلے میں مترقیانہ اقدام ہے ۔ لیکن جیسا کہ آندرے فرانک نے کہا ہے یہ استدلال درحقیقت استعمار پسند اور نو آبادیاتی معاشروں کی جبلت کو پوری طرح نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے ۔ جاگیرداروں اور سامراجی گماشتوں (COMPRADOR) کی ذہنیتوں میں بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں ۔ دونوں نو آبادیاتی معاشرے کی پیداوار ہیں اور دونوں کا نصب العین لوٹ کھسوٹ اور

استحصال ہے - لہٰذا ''سرمایہ داروں'' کی بجائے اگر ''سرمایہ کار'' وجود میں آ جائیں تو یہ معاشرے کے لئے کوئی اچھی علامت نہیں - کیونکہ وہ بھی اپنی دولت کے بل بوتے پر سرمایہ دار، جاگیرداروں اور استعمار پسندوں سے سمجھوتہ کر لیں گے - اور اس سے اصل مسئلہ حل نہیں ہوگا بلکہ اراضی کے مالکانہ حقوق میں توسیع ہوگی اور ارتکاز کا عمل زور پکڑے گا - اس رجحان کی نفی کا اصل طریقہ ملک میں عوامی جمہوری معاشرے کا قیام ہے جس میں تمام نجی ملکیت کو پھر سے تقسیم کیا جائے - کارخانے مزدوروں کے انصرام میں آئیں اور ریاست کی ملکیت ٹھہریں - زمینیں گزارہ یونٹوں کے اندازے سے کاشتکاروں کو بلا معاوضہ مہیا کی جائیں اور انہیں انجمن ہائے امداد باہمی کے نظام میں شامل ہونے کی رغبت دلائی جائے تاکہ اجتماعی کاشت اور اجتماعی پیداوار کا جذبہ اور عمل پروان چڑھے اور ہر جہت سے پیداوار میں اضافہ ہو - کسانوں کا مسئلہ صنعتی مزدوروں کے مقابلے میں کہیں نازک تر ہوتا ہے - اس لئے ان کو اجتماعی کاشت پر جبراً مائل کرنا نہایت خطرناک ثابت ہوگا -

آج کی دنیا میں پسماندہ ملکوں کی معاشی منصوبہ بندی اور ترقی سامراجی سرمائے کے چنگل میں بری طرح پھنسی ہوئی ہے - عوامی جمہوریت اس شکنجے سے نکلے بغیر قائم نہیں

ہو سکتی اور اس کے لئے ضروری ہے کہ بین الاقوامی سیاست میں سوشلسٹ ملکوں سے اتحاد کیا جائے مگر یہ اقدامات صرف ایسی حکومت کر سکتی ہے جو سرمایہ دارانہ ترقی ، لا محدود نجی ملکیت اور سامراج سے مفاہمت پر یقین نہ رکھتی ہو - عوامی جمہوریت ملک کے محب وطن طبقوں کی حکومت ہوتی ہے جس میں سامراج دشمن ترقی پسند قومی سرمایہ دار ، چھوٹے صنعتکار ، چھوٹے زمیندار ، چھوٹے دکاندار ، مزدور ، کسان اور عوام دوست دانشور ملک کی سیاسی اور اقتصادی آزادی اور پیداوار میں سہ جہت اضافے کے لئے مل کر پالیسیاں طے کرتے ہیں اور گماشتہ سرمایہ داروں ، سامراجی سیاستدانوں اور بڑے زمینداروں کے جدلیاتی اور عوام دشمن اتحاد کے مقابلے پر محاذ بناتے ہیں - عوامی جمہوری تحریک محض اسمبلیوں میں انتخابات لڑنے کا نام نہیں بلکہ محب وطن طبقوں کے متحدہ محاذ کی ترکیب کا نام ہے اور اسی کو قائم کرنے ہی سے زرعی اصلاحات کا اصل کام پورا ہو سکتا ہے -

پیپلز پارٹی برسر اقتدار آئی ہے تو عوام اس سے بجا طور توقع رکھتے ہیں کہ وہ جاگیرداریت کو ملیامیٹ کر کے محب وطن شہری متوسط طبقہ کو ایک ایسا ''بورژوا'' معرض وجود میں لانے پر کمربستہ کرے گی جو استعمار پسندی اور

سرمایہ داری کے تابوت میں آخری میخ گاڑ سکے۔ صدر بھٹو نے جو زرعی اصلاحات نافذ کی ہیں وہ صدر ایوب کی اصلاحات سے کہیں زیادہ حرکیاتی اور انقلاب پرور ہیں۔ لیکن جاگیرداری، نوکرشاہی، عسکریت، غیر ملکی دلالی اور استعمار پسندی کے گٹھ جوڑ کو توڑنے کے لئے ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ اس میں شک نہیں یہ چومکھی لڑائی ہے اور بیک وقت کئی محاذ کھول دینا قرین مصلحت نہیں۔ لیکن اس کے یہ بھی معنی نہیں کہ "مخلوط معیشت" کو فروغ دیکر یہ سمجھ لیا جائے کہ ارتکاز دولت کے رجحانات خود بخود ختم ہو جائیں گے اور پیداوار بڑھنے لگے گی۔ ارتکاز دولت کے رجحانات تب تک ختم نہیں ہو سکتے جب تک معاشرے کے استحصالی روابط کا مکمل طور پر خاتمہ نہ ہو جائے اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ ایک ایسی قومی جمہوریہ معروض وجود میں آئے جو غیر سرمایہ دارانہ اور غیر استحصالی معاشی نمو کے منصوبہ کو پروان چڑھائے۔

اس سلسلہ میں صدر بھٹو نے ایک طرف صنعت و تجارت کے میدان میں بائیس خانوادوں کی حاکمیت بڑی حد تک ختم کر دی ہے دوسری طرف بڑے زمینداروں کا زور توڑنے کے لئے حد ملکیت کا تعین کر دیا ہے اور فاضل زمین

واگزار کرنے کے بعد بے زمین کاشت کاروں میں بلا معاوضہ بانٹ دی ہے - لیکن ظاہر ہے جب تک ذاتی ملکیت کا موجودہ تصور باقی ہے معاشرے کو زیادہ سے زیادہ عادلانہ اور منصفانہ نہیں بنایا جا سکتا - حکومت نے اس سلسلہ میں بھی ایک نیا قانون بنایا ہے جس کے تحت ضرورت پڑنے پر ذاتی املاک کو قومی بنایا جا سکتا ہے - اس قانون کا دائرۂ کار وسیع کرنے کی سب سے زیادہ ضرورت زرعی شعبہ میں ہے - جہاں بے شمار اراضی پر اُن قبیلوں اور خاندانوں کا قبضہ ہے جو ماضی میں قوم فروشی اور غداری ایسے سنگین جرائم کے مرتکب ہو چکے ہیں -

اس تصنیف کا مقصد انہی ''دیہہ خداؤں'' کی نشاندہی کرنا ہے - بعض لوگ اس قبضۂ مخالفانہ کو ''تاریخی حادثہ'' کہہ کر نظر انداز کرنا چاہتے ہیں لیکن یاد رہے کہ یہ ''تاریخی حادثہ'' ماضیٔ بعید میں نہیں ہوا بلکہ اُس ظالمانہ فرنگی دور کی یاد تازہ کرتا ہے جس کو ختم کرنے کے لئے برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا اور ایک ایسے وطن کی بنیادیں استوار کیں جس میں کسی استحصالی طبقہ کو پرورش پانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی -

مجھے یہ کتاب لکھنے کی تحریک مسلم لیگ زرعی کمیٹی

رپورٹ ۱۹۴۸ء کے اس فقرے سے ہوئی کہ بڑے بڑے زمینداروں کے حقوق ملکیت کا جائزہ لیا جائے تو شاید کوئی بھی اپنا دعویٰ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے پہلے کی تاریخ کا ثابت نہ کر سکے ۔ میں نے کھوج لگایا تو معلوم ہوا کہ یہ دعویٰ بھی قومی اخلاق کے کسی تقاضے پر پورا نہیں اترتا ۔ اکثر بڑے زمیندار ہندوؤں اور سکھوں کی اولاد ہیں جنہوں نے اپنی لوٹ مار کے سلسلہ میں پاکستان کے اصل باشندوں کو مار بھگایا اور اُن کی زمینوں پر قابض ہو گئے ۔ بعد میں اگر یہی لوگ انگریزی راج کی جڑیں مضبوط کرنے کے لئے پیش پیش رہے تو اس پر تعجب نہیں ہو سکتا ۔ اُن میں حب الوطنی کا جوہر پیدا ہی کب ہوا تھا کہ اُن سے ملک و قوم کی خاطر مر مٹنے اور اعزاز و خطابات قبول نہ کرنے کی توقع رکھی جا سکتی ؟ بایں ہمہ میرا مقصد بڑے بڑے دیہہ خداؤں کا شجرۂ نسب پڑھنا نہیں ۔ صرف یہ واضح کرنا ہے کہ جن لوگوں کے پاس بڑے بڑے قطعات اراضی ہیں اُن کا دعویٰ ملکیت چونکہ کسی طرح بھی جائز نہیں ٹھہرتا اس لئے اگر اسے بلا معاوضہ منسوخ کر دیا جائے تو یہ خلاف عدل نہیں ہوگا ۔

اس تصنیف کا ہیولیٰ زیادہ تر اس پس منظر سے ابھرا ہے جو گزشتہ چالیس برس کے درسی اور غیر درسی مطالعہ نے

میرے ذہن میں محفوظ کر دیا ہے لیکن ناسپاس گزاری ہوگی اگر میں جناب معراج خالد (وزیر اعلیٰ پنجاب) جناب حسن علی سید (پنجاب بورڈ آف اکو نامک انکوائری) اور جناب زیڈ۔ ایچ چوہدری مرحوم (ریجنل آفسر سی ایس او) کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے اپنی مصروفیات کے ہجوم میں بھی اپنے عمل و مشاہدہ کے زریں ثمرات میرے سامنے رکھنے سے گریز نہ کیا۔

اے۔ آر۔ شبلی

لاہور یکم۔ مارچ ۱۹۷۳ء

Punjab Board of Economic Enquiry

باب ۱

زرعی اراضی کی تقسیم

مرکزی دفتر شماریات کے اندازے کے مطابق پاکستان کی مجموعی قومی پیداوار ۵۴ ارب روپیہ سالانہ ہے جس میں سے ۲۹ ارب روپیہ کی پیداوار صنعت و تجارت اور ۲۳ ارب روپیہ کی پیداوار زراعت اور الحاق پیشوں سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر یہ پیداوار ۱۲ کروڑ آبادی پر برابر تقسیم کر دی جائے تو تقریباً دو سو روپیہ ہر فرد (اور ایک ایک ہزار روپیہ ہر کنبہ) کے حصے آتا ہے لیکن ظاہر ہے ایسا نہیں ہو رہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس پیداوار پر پوری آبادی کا تصرف نہیں ہے۔ بلکہ صنعت و تجارت کی طرح زراعت کے پیشہ میں بھی صرف چند خاندان ایسے ہیں جو بڑے بڑے قطعات اراضی پر قابض ہیں اور ان کی آمدنی بھی وہی ہضم کر جاتے ہیں۔ باقی سب کے سب

خاندان یا تو پانچ ایکڑ سے بھی کم اراضی کے مالک ہیں یا دیہات میں مزارع اور زرعی مزدور کی حیثیت سے زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں -

حکومت نے ''زراعت شماری'' اور ''مغربی پاکستان میں زرعی اصلاحات'' نام کی رپورٹوں میں جو اعداد و شمار درج کئے ہیں ان پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کا کل رقبہ ۲۳ کروڑ ۴۲ لاکھ ایکڑ ہے جن میں سے ۱۹ کروڑ ۸۶ لاکھ ۳۰ ہزار ایکڑ مغربی پاکستان میں اور ۳ کروڑ ۵۹ لاکھ ۷۰ ہزار ایکڑ مشرقی پاکستان میں ہے - اس میں سے صرف ۱۲ کروڑ ۶۲ لاکھ ۱۸ ہزار ۸۲۷ ایکڑ کے نقشے تیار کئے جا سکے ہیں - باقی زمین کا یہ بھی پتہ نہیں کہ کس کے قبضہ میں ہے - اس بارہ کروڑ باسٹھ لاکھ ایکڑ زمین میں سے بھی صرف نصف کے قریب یعنی ۵ کروڑ ۸۴ لاکھ ۴۶ ہزار ایکڑ زمین مزروعہ ہے - باقی رقبہ یا تو ''ناممکن'' اور ''بنجر'' ہے یا ابھی تک زیر کاشت نہیں لایا جا سکا -

مزروعہ اراضی میں ۳ کروڑ ۹۳ لاکھ ایکڑ مغربی پاکستان میں اور ایک کروڑ ۹۲ لاکھ ایکڑ مشرقی پاکستان میں ہے - اس اراضی پر کون لوگ قابض ہیں ؟ مغربی پاکستان کے زراعت کاروں میں صرف ۶۳٬۳۴۸ زمیندار ایسے ہیں جو ایک کروڑ اکاون لاکھ باسٹھ ہزار چار سو ستر ایکڑ کے

بلا شرکت غیرے مالک ہیں ۔ گویا کل مالکان اراضی کا صرف ۱ء۲۵ فیصد ۳۱ء۲ فیصد رقبہ پر متصرف ہے ۔ ان میں سے بھی ۱۶۱ء۶ ایسے مالکان اراضی ہیں جو یوں تو زراعت کاروں کی مجموعی تعداد کا ۲ء۱ فیصد بھی نہیں ۔ لیکن وہ ۱۵ء۳۰ فیصد اراضی کے مالک ہیں ۔ اگر صدر ایوب کی زرعی اصلاحات کے ریگولیشن نمبر ۶۴ کا لحاظ بھی رکھ لیا جائے تو ابھی تک اُن کے قبضہ میں مجموعی رقبہ کا ۱۱ء۵ فیصد موجود ہے ۔

اس کے برعکس جن چھوٹے چھوٹے زمینداروں کے پاس پانچ ایکڑ سے بھی کم زمین ہے اُن کی تعداد ۳۲ لاکھ ۶۶ ہزار ۱۳۷ ہے اور وہ تمام مالکان اراضی کا ۶۴ء۴۴ فیصد ہیں ۔ ان میں سے بھی ۱۶ ۲ ,۲ ,۳۴ ,۷ کاشتکار ایسے ہیں جن کے پاس ایک ایکڑ زمین بھی نہیں ہے ۔ مشرقی پاکستان میں قانون مزارعت ۱۹۵۰ء کے نفاذ کے بعد چونکہ ایک سو بیگھہ (یا مغربی پاکستان کے حساب کے مطابق ۳۳ ایکڑ فی کنبہ) سے زائد زمین قبضہ میں رکھنا ممنوع قرار دے دیا گیا تھا ۔ اسلئے وہاں بڑے زمیندار موجود نہیں ہیں ۔ تاہم جن کاشتکاروں کے پاس پانچ ایکڑ سے بھی کم زمین ہے اُن کی تعداد ۴۷,۳۸,۹۰۰ سے زیادہ نہیں ۔ اس میں ۱۴,۹۲,۴۷۰ زراعت کار ایسے ہیں جن کے پاس ایک ایکڑ بھی زمین نہیں ہے ۔

حکومت نے گزارے کے لئے حد ملکیت ساڑھے بارہ ایکڑ

مقرر کر رکھی ہے - ظاہر ہے کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے جن ۸۰ لاکھ زراعت کاروں کے پاس پانچ ایکڑ بلکہ ایک ایکڑ سے بھی کم زمین ہے - وہ "گزارے" کے معیار پر بھی پورے نہیں اترتے - یہی وجہ ہے کہ وہ پیٹ پالنے کے لئے کوئی اور دھندہ بھی کرنے پر مجبور ہیں - چنانچہ اندازہ ہے کہ مشرقی پاکستان میں کم از کم ۲۵ لاکھ اور مغربی پاکستان میں دس لاکھ زراعت پیشہ لوگ ایسے ہیں جو اراضی کے مالک کہلانے کے باوجود جز وقتی محنت مزدوری یا الحاقی کاروبار کرنے پر مجبور ہیں -

دونوں صوبوں میں بڑے اور چھوٹے درجے کے زمینداروں کو چھوڑ کر ۲۱ لاکھ دیہاتی ایسے ہیں جو دوسروں کے ٹکڑوں پر پلتے ہیں - ان میں سے ۲۰,۲۵,۹۹۰ افراد مغربی پاکستان میں "بے زمین کاشتکار" اور دوسروں کی زمین جوت کر اپنا خون پسینہ ایک کرتے رہتے ہیں - ان لوگوں کو "مزارع" کہا جاتا ہے - وہ بٹائی پر کاشت کرتے ہیں - لیکن ان میں سے بیشتر پر بے دخلی کی تلوار ہر وقت لٹکتی رہتی ہے - ۱۹۵۰ء کے قانون مزارعت کے تحت جو کاشتکار تین سال تک چار ایکڑ زمین کاشت کرتے رہیں ان کے مستقل حقوق مزارعت تسلیم کر لئے جاتے ہیں - لیکن مالکان اراضی یہ مدت پوری نہیں ہونے دیتے اور ہل جوتنے والے کو پہلے ہی کان

پکڑ باہر کر دیتے ہیں ۔ چنانچہ ۱۹۵۲ء میں دو لاکھ مزارعوں کو صرف پنجاب میں بے دخل کیا گیا جو اب تک کہیں پوری طرح آباد نہیں ہو سکے ۔

پاکستان کی جو ۸۰ فیصد آبادی دیہات میں آباد ہے اس میں تقریباً ۱۲ لاکھ وہ بدنصیب شامل ہیں جن کو ''زرعی مزدور،، کہا جاتا ہے ۔ وہ کم سے کم سولہ گھنٹے روزانہ کھیتوں پر کام کرتے ہیں ۔ لیکن پیٹ بھرنے کو ایک وقت کی روٹی اور تن ڈھانپنے کو ایک لنگوٹی بھی خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے ۔ اُن کو چھوٹے اور بڑے زمینداروں کا ''غلام،، کہہ لیجئے جس کا مترادف پہلے ''مکین،، تھا اور اب ''زرعی مزدور،، ہے ۔ اُن کی تعداد مغربی پاکستان میں ساڑھے چار لاکھ کے قریب ہے ۔

پھر دیہات میں وہ ہنرمند اور کاریگر بھی لاکھوں کی تعداد میں آباد ہیں جو شہروں میں آجائیں تو انجینئر ، جیولر ، موتراش ، جفت ساز ، لانڈرز اور ہوٹلئر بن کر ہزاروں روپے ماہوار کما لیتے ۔ لیکن دیہات میں ان کو لوہار ، سنار ، نائی ، موچی اور دھوبی کہا جاتا ہے اور وہ محنتانہ کے طور پر ڈھائی ٹوپہ گندم بھی حاصل نہیں کر پاتے ۔

کاشت کاروں کی سالانہ آمدنی میں کتنا بڑا تفاوت ہے؟ اس کا اندازہ ذیل کے گوشوارہ سے ہو سکتا ہے جو بورڈ آف

اکونامک انکوائری نے ۱۹۶۹ء میں تیار کیا تھا ۔

رقبہ	بالمقطع آمدنی	فی کس آمدنی	خرچ
۱۲ء۵ ایکڑ تک	۱٫۳۳۳ روپے	۱۹۰ روپے	۱۹۱ روپے
۱۲ء۵ ایکڑ سے ۲۵ ایکڑ تک	۱٫۲۵۷ "	۲۳۷ "	اندازہ نہیں
۲۵ ایکڑ سے اوپر ۵۰ ایکڑ تک	۳٫۲۷۶ "	۶۸۳ "	۲۷۷ "
۵۰ ایکڑ سے اوپر اور ۱۵۰ ایکڑ تک	۶٫۷۷۴ "	۸۴۵ "	۱۷۳ "

آمد و خرچ کے اس گوشوارہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں کے پاس ساڑھے بارہ ایکڑ سے کم زمین ہے وہ اپنا خرچ بھی پورا نہیں کر سکتے اور اس سے زائد رقبہ کے مالک کم سے کم نصف آمدنی (جو اُن کے گھریلو اخراجات سے دگنی تگنی ہوتی ہے) اللے تللوں میں اُڑا دیتے ہیں ۔ ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ جہاں پانچسو روپے ماہوار پانے والے شہری کو انکم ٹیکس قانون کے تحت دھر لیا جاتا ہے وہاں لاکھوں روپیہ سالانہ کمانے والے زمینداروں سے "مالیہ" اور "آبیانہ" کے سوا کچھ بھی وصول نہیں کیا جاتا ۔ "مالیہ" اور "آبیانہ" کی شرح چونکہ غیر لچکیلی ہے ۔ اس لئے وہ بھی زمینداروں کے حق میں جاتی ہے ۔ مغربی پاکستان میں جب کبھی "زرعی انکم ٹیکس" عائد کرنے کا مطالبہ ہوا اُسے حکومت کے مفاد پرست طبقہ نے (جو بڑے زمینداروں پر مشتمل رہا ہے)

بڑی بے پروائی سے ٹھکرا دیا ۔ اس کے مقابلہ میں کاشت کاروں پر زمینداروں نے جو ''ابواب،، CESSES عائد کر رکھے ہیں اُن کو آج تک منسوخ نہیں کیا گیا ۔ ۱۹۵۰ء میں قانون مزارعت کے تحت ان وصولیوں کو روکنے کی کوشش کی گئی تو بے دخلیوں کی رفتار میں اور بھی اضافہ ہو گیا ۔ بٹائی پر کاشت کرنے والے کو نصف فصل کی آمدنی مالک اراضی کے حوالے کرنا پڑتی ہے ۔ ۱۹۵۲ء میں مالک اراضی کا حصہ چالیس فیصد کر دیا گیا ۔ لیکن اس پر شاذ ہی عمل ہوتا ہے ۔ ڈارلنگ نے ایک دفعہ لکھا تھا کہ کاشت کار کو حق مزارعت قائم رکھنے کے لئے زمیندار کو کئی طرح کے نذرانے بھی دینا پڑتے ہیں ۔ مثلاً بیگار ، خرچہ ، منشیانہ ، کمیانہ اور کرایہ ۔ اسی طرح بعض علاقوں میں زمینداروں نے چولہا ٹیکس ، کھڑکی ٹیکس حتیٰ کہ بھینس یا مرغی ٹیکس بھی عائد کر رکھا ہے ۔ کاشتکاروں کو ان نذرانوں سے نجات دلانے کے لئے آج تک جتنی کوششیں ہوتی رہیں سب ناکام رہی ہیں ۔ یہی وجہ ہے بٹائی میں زمیندار کا حصہ عام طور پر ۷۵ بلکہ ۹۰ فیصد ہو جاتا ہے ۔ اس کی تصدیق پنجاب بورڈ آف اکونامک انکوائری کے ذریعے ہو چکی ہے اور مسلم لیگ زرعی اصلاحات کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں بھی اس کا ذکر کیا ہے ۔

پاکستان کی زرعی ترقی کے لئے اب تک جو اقدامات

کئے گئے ہیں ان کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ مزارع اور مالک اراضی کے تعلقات کو خوشگوار بنایا جائے اور کھیتی باڑی کی جدید ترین سہولتیں فراہم کر کے کاشتکار سے یہ توقع رکھی جائے کہ وہ پہلے سے بھی زیادہ مشقت کر کے مالک اراضی کی آمدنی میں اضافہ کرے گا۔ چھوٹے زمینداروں کی اراضی کو قوانین وراثت اور بڑے زمینداروں کی چیرہ دستیوں کے باعث ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچانے کے لئے کبھی تحریک اشتمال چلا دی جاتی ہے اور کبھی اُن کو کیمیاوی کھاد، عمدہ بیج اور کیڑے مکوڑے مار کرنے والی دوائیں استعمال کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ لیکن ان تمام اقدامات کا نتیجہ ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکا جس کی وجہ سے اس کے سوا کچھ نہیں کہ زرعی پسماندگی کے بنیادی اسباب پر غور نہیں کیا جاتا۔ پاکستان زرعی لحاظ سے اگر دوسرے ممالک کا مقابلہ نہیں کر سکا تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہاں کھیتی باڑی کے لئے جدید ترین سہولتیں میسر نہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ کاشتکاروں کو اُن کی محنت کا پورا صلہ نہیں ملتا اور جس زمین پر ان سے خون پسینہ ایک کرنے کی توقع رکھی جاتی ہے وہ یا تو اتنی قلیل ہوتی ہے کہ ایک وقت کی روٹی بھی پوری نہیں ہوتی۔ یا اس کے مالک وہ خود نہیں ہوتے بلکہ ایسے لوگ بھی ہیں جن کو یہ اراضی انگریزوں نے قومی غداری کے صلہ میں اور

پاکستان کے حاکموں نے خوشامد کے عوض انعام کے طور پر دی ہے ۔ ان کو اس کے سوا زمین سے کوئی دلچسپی نہیں کہ وہ ان کے شہری اور سیاسی اقتدار کا ذریعہ ہے اور ان کے لئے عیش و آرام کے اسباب مہیا کرتی ہے ۔

کالورٹ (CALVERT) نے اپنی کتاب ''پنجاب کی دولت اور خوشحالی،، میں لکھا ہے کہ دنیا کی بہترین کھیتی باڑی وہ ہے جو مزارعت کے تحت ہو رہی ہے ۔ ظاہر ہے اس کا اشارہ انگلستان کی جانب ہے ۔ لیکن اس نے خود تسلیم کیا ہے کہ انگلستان میں جہاں مالک اراضی اپنے کاشتکار کا بہترین رفیق ہوتا ہے اور تقریباً ایک تہائی لگان واپس اپنی زمین پر لگا دیتا ہے ۔ وہاں پنجاب کا مالک ایک پائی بھی زمین پر نہیں لگاتا ۔ اسی طرح انگلستان اور دوسرے ایسے ممالک میں جہاں کاشتکاری مزارعت کے اصول پر ہوتی ہے زمین عام طور پر مزارعوں کو ٹھیکہ پر دی جاتی ہے اور اس دوران مالک اپنے مزارعوں کے کاموں میں دخل نہیں دیتا ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مزارع اپنے آپ کو آزاد کسان تصور کرتا ہے اور نہ صرف محنت سے کام لیتا ہے ، بلکہ سرمایہ بھی اپنی گرہ سے لگاتا ہے ۔ اس کے برعکس مغربی پاکستان میں مالک اراضی نہ تو سرمایہ لگاتا ہے ، نہ زمینوں کی دیکھ بھال کرتا ہے بلکہ سب کچھ مفلوک الحال کاشتکاروں کے سپرد کر کے خود ان کی

لوٹ گھسوٹ میں مصروف رہتا ہے۔ ان حالات میں زرعی ترقی خاک ہو سکتی ہے۔ مارشل نے ٹھیک لکھا ہے کہ اگر کاشتکار کو آدھی آمدنی مالک کے حوالے کرنی پڑے تو محنت و سرمایہ لگانے کے لئے اسے کوئی دلچسپی نہ رہے گی۔ (اصول معاشیات) پنجاب میں اس کی گواہی کالورٹ نے دی وہ لکھتا ہے ''میں نے خود دیکھا کہ مزارع نہ تو کھیتی باڑی کے لئے زمین تیار کرنے میں کوئی دلچسپی لیتا ہے، نہ ہل پوری طرح چلاتا ہے نہ مناسب کھاد ڈالتا ہے اور نہ تمام آلات کشاورزی استعمال کرتا ہے۔''

کاشت کار کو زمین کی پیداوار بڑھانے پر آمادہ کرنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ اس کے حقوق ملکیت تسلیم کئے جائیں۔ اس وقت جو لوگ زمینوں پر قابض ہیں ان میں سے اکثر کسی طرح بھی زمین کے مالک نہیں ہیں۔ انہوں نے یا ان کے آباؤ اجداد نے یہ زمین خریدی نہیں بلکہ قومی غداری یا غیر ملکی حاکموں کی چاپلوسی کے صلہ میں پائی ہے اور اس کا ثبوت سرکاری دستاویزات سے بہ آسانی مل سکتا ہے۔ مسلم لیگ کی زرعی کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں (۱۹۴۸ء) میں لکھا تھا کہ اس علاقہ کا شاید ہی کوئی بڑا زمیندار ہو جو اراضی پر اپنا قبضہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے بھی پہلے کا ثابت کر سکے۔ زیادہ تر زمیندار ایسے ہیں جو انگریز کے ''لطف توجہ'' کی

پیداوار ہیں۔

پاکستان میں مزارعت کا سب سے پرانا طریقہ وہ ہے جو مشرق بنگال کا طریق زمینداری کہلاتا ہے۔ ۱۷۶۵ء میں جب شاہ عالم نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو بنگال کی "دیوانی" عطا کی تو کمپنی نے پہلے تو اپنے کارندوں کے ذریعے مالیہ وصول کرنے کی کوشش کی لیکن جب یہ طریقہ ناکام رہا تو اس نے ۱۷۷۲ء کے بعد "دیوانی" نیلام کرنا شروع کر دی۔ جو لوگ بولی دیتے وہ "دیوان" کہلاتے تھے۔ ۱۷۹۳ء میں جب لارڈ کارنوالس نے "بندوبست دیوانی" کا اعلان کیا تو یہی مالیہ وصول کرنے والے ایجنٹ "جاگیردار" یا "زمیندار" کہلانے لگے۔ حالانکہ وہ کسی زمین کے مالک نہیں تھے۔ اُن کے ساتھ مالیہ کی رقم طے ہو گئی اور قرار یہ پایا کہ وہ اس کا ۱۰/۱۱ حصہ تو سرکار کے خزانہ میں جمع کریں گے اور ۱/۱۱ خود رکھ لیں گے۔ بعد میں اُن لوگوں نے بھی اپنے گماشتے مقرر کر لئے جو دیہات میں جا کر مالیہ وصول کرتے اور جاگیردار کو اپنا حق خدمت منہا کر کے دے دیتے۔ رفتہ رفتہ گماشتوں کی تعداد بھی بڑھ گئی حتیٰ کہ ۱۹۲۶ء میں سائمن کمشن نے بتایا کہ "زمیندار" اور "مزارع" کے درمیان اکثر حالات میں پچاس کے قریب دلال موجود ہیں۔ قریب قریب یہی ۱۹۳۰ء میں بنکنگ انکوائری کمیشن نے

لکھا۔ لیکن ستم ظریفی کی انتہا یہ کہ اب یہی ''دیوان'' اور اُن کے ''دلال'' سچ مچ کے زمیندار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور جن زمینوں کا مالیہ وصول کرنے پر وہ مامور ہوئے تھے اُن کی ملکیت کا دعویٰ کرتے ہیں!

یہی حال پنجاب، سندھ اور سرحد کا ہے۔ ۱۸۸۰ء تک یہ علاقے لق و دق صحرا تھے۔ بمشکل ۵ سے ۵۰۔ انچ سالانہ بارش ہوتی تھی۔ لوگ کہیں کہیں کھیتی باڑی کرتے تھے۔ زیادہ تر علاقہ اونٹوں اور بھیڑوں کی چراگاہ بنا ہوا تھا۔ جب نہریں کھودی گئیں تو انگریز نے سارے علاقے کو ''بلا دعویٰ'' قرار دے کر اس پر قبضہ کر لیا اور ۲۵-۲۵ ایکڑ کا ایک ایک مربع بنایا اور اُن لوگوں میں بانٹ دیا جو قومی غداری کے مرتکب ہوئے تھے۔ یہیں ان لوگوں نے اپنی اپنی نو آبادیاں قائم کر لیں جن میں مزید نہروں کے کھودنے پر رفتہ رفتہ اضافہ ہوتا گیا۔ اب یہی لوگ ''مالکان اراضی'' کہلاتے ہیں اور جب اُن سے ''اصلاحات'' کے نام پر زمین چھوڑنے کو کہا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ زمین تو ہماری ماں ہے۔ کہیں ماں بھی چھینی یا بانٹی جا سکتی ہے؟

باب ۲

انگریز کے درباری

۱۹۱۱ء میں جارج پنجم نے تخت نشین ہونے کے بعد دہلی میں ایک شاہی دربار منعقد کیا تھا جس میں کرسی حاصل کرنے کے لئے بڑی تگ ودو ہوتی رہی - برصغیر کے جن مسلمانوں کو اس میں کامیابی ہوئی وہ قدرتی طور پر وہی لوگ تھے جن کو جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں قوم فروشی اور غداری کے عوض انعام و اکرام اور خطابات و اراضی کا مستحق سمجھا گیا - ذیل میں مسلمان درباریوں کی مکمل فہرست شائع کی جا رہی ہے - ان میں سے اکثر کی اولاد قیام پاکستان کے بعد یا تو بڑے بڑے عہدوں پر متمکن رہی ہے یا وسیع قطعات اراضی اور جائدادوں پر قابض ہے -

۱۔ میرزا ثریا جاہ والد میرزا الٰہی بخش (دہلی)

۲ - نواب ابراہیم علی خان ولد محمد علی خان کنج پورہ (کرنال)

۳ - نواب عظمت علی خاں ولد نواب احمد علی خاں منڈل (کرنال)

۴ - سید یعقوب خاں تورہ - سفیر یارقند

۵ - سعادت علی خاں ولد قطب الدین خاں منڈل (کرنال)

۶ - محمد عنایت علی خاں ولد دلاور علی خاں (مالیر کوٹلہ)

۷ - احسن علی خاں ولد غلام محمد خاں (مالیر کوٹلہ)

۸ - میر محمد باقر علی خاں سی آئی ای ولد قاسم علی خاں (انبالہ)

۹ - عالم خاں ولد عطا محمد خاں کوٹلہ نہنگ

۱۰ - خان بہادر شمشیر علی خاں ولد وزیر علی خاں منڈل (کرنال)

۱۱ - محمد سراج الدین حیدر خاں ولد کیپٹن محمد تفضل خاں فرخ نگر (گڑگاؤں)

۱۲ - منشی حسین بخش (انبالہ)

۱۳ - میرزا اقبال شاہ ولد میرزا الٰہی بخش (دہلی)

۱۴ - سعیدالدین احمد خاں ولد نواب ضیاءالدین احمد خاں (دہلی)

۱۵ - خان بہادر ہادی حسین خاں ولد سید محمد بخش خاں

(دہلی)

۱۶ - خان بہادر محبوب بخش ولد شاہ محمد شیخ (دہلی)

۱۷ - خان بہادر نظام الدین خاں ولد محمد حیات خاں (دہلی)

۱۸ - شیخ عبدالرسول ولد شیخ انعام اللہ - فرید آباد ریٹائرڈ ای اے سی

۱۹ - احمد حسین خاں ولد محمود حسن خاں - گنج پور (کرنال)

۲۰ - میر محمد ہادی علی ولد میر نظام علی (گڑگاؤں)

۲۱ - خان بہادر مولوی ضیاءالدین خاں ای اے سی - ولد محمد بخش خاں (گڑگاؤں)

۲۲ - حکیم غلام رضا خاں ولد غلام مرتضیٰ خاں (دہلی)

۲۳ - احمد شفیع ولد میر قاسم علی فرید آباد

۲۴ - سید سلطان میرزا آنریری مجسٹریٹ ولد نواب سید سردار میرزا

۲۵ - حکیم ظہیرالدین آنریری مجسٹریٹ ولد غلام نجف خاں (دہلی)

۲۶ - عمر علی خاں ولد رسالدار بشارت علی اکھوڑہ (رہتک)

۲۷ - قمرالدین ولد شمس خاں (سرسہ)

۲۸ - مہر علی خاں ولد حیدر علی خاں گوہانہ (رہتک)

۲۹ - قمرالدین خاں غلام شرف خاں منڈل (کرنال)

۳۰ - سید ابوالحسن سجادہ نشین ولد سید ادہم علی شاہ (سدہوڑہ)

۳۱ - غلام رسول خاں ولد سمند خاں کلانور (رہتک)

۳۲ - رسالدار سہراب خاں ولد سمند خاں کلانور (رہتک)

۳۳ - شہزاد خاں ولد قمرالدین خاں کلانور (رہتک)

۳۴ - جمعدار سردار خاں ولد دین دیندار خاں آف (حصار)

۳۵ - مولوی لطیف حسن خاں ہیڈ عربک ٹیچر گورنمنٹ سکول دہلی ولد حکیم محمد حسین خان (دہلی)

۳۶ - محمد اکرام اللہ خاں ای اے سی آنریری ولد بخشی انعام اللہ خاں

۳۷ - شہزادہ نادر - سی آئی ای ولد شاہ شجاع الملک (لدہیانہ)

۳۸ - شہزادہ صفدر جنگ ولد شاہ شجاع الملک

۳۹ - شہزادہ سلطان جلال الدین ولد شہزادہ تیمور

۴۰ - نواب غلام قطب الدین ولد نظام الدین ممدوٹ

۴۱ - محمد طاہر ولد شہزادہ سلطان سکندر

۴۲ - راجہ نعمت اللہ خاں ولد راجہ حمیداللہ خاں رہلو (کانگڑہ)

۴۳ - کرامت اللہ خاں ولد راجہ حمیداللہ خاں - راجوری آف رہلو (کانگڑہ)

۴۴ - سردار یار محمد خان ولد سردار صالح محمد خان

۴۵ - سردار نور محمد خان ولد سردار حسن خان (لدھیانہ)

۴۶ - فیض طالب خان ولد راؤ امام بخش راڈکوٹ (لدھیانہ)

۴۷ - سید شریف حسین ولد مولوی رجب علی جگراؤں

۴۸ - مسقدی خان ولد بلاقی خان (لدھیانہ)

۴۹ - سردار سلطان جان ولد شہزادہ محمد جمہور (کوہاٹ)

۵۰ - خان بہادر محمد ظفر خان خٹک ولد نواب سر خواجہ محمد خان بہادر خٹک آف تیری (کوہاٹ)

۵۱ - نواب سر محمد اکرم خان آف امب ولد جاندار خان (ہزارہ)

۵۲ - راجہ جہانداد خان - خان بہادر ولد راجہ حیدر بخش خان (ہزارہ)

۵۳ - نواب لفٹیننٹ کرنل سردار محمد افضل خان رسالدار میجر (پشاور)

۵۴ - سردار سلطان ابراہیم خان بہادر ابن سردار آدہم خان

۵۵ - ارباب محمد حسین خان ولد نواب سرفراز خان مہمند (پشاور)

۵۶ - سلطان برکت خان بوٹے ولد رحمت خان

۵۷ - راجہ فیروز خان ولد راجہ علی گوہر خان (خانپور)

۵۸ - محمد حسین خاں ولد سمندر خاں (گڑھی حبیب اللہ)

۹۵ - محمد عباس خاں وزیر زادہ ولد نظام الدولہ وزیر شاہ شجاع الملک

۶۰ - سردار محمد اکبر خان برادر محمد عباس خاں متذکرہ بالا

۶۱ - لفٹیننٹ کرنل محمد اسلم خاں وزیر ذاہ سردار بہادر برادر متذکرہ بالا

۶۲ - خان بہادر محمد ابراہیم خاں ولد صفدر خاں (مردان)

۶۳ - قاضی عبدالقادر خاں ولد قاضی فضل قادر (پشاور)

۶۴ - اللہ یار خاں مردود خیل ولد غلام حیدر خاں آف ڈانگو

۶۵ - خان فتح محمد خاں خٹک ولد خان بہادر جعفر خاں منگوریہ

۶۶ - سید میر اکبر خاں ولد سید محمود شاہ تیراہ قبائلی علاقہ

۶۷ - سید محمد امین جاہ ولد علاؤالدین ماروزئی (پشاور)

۶۸ - عبدالرحمان خاں ولد عبداللہ خاں پھلارہ (ضلع ہزارہ)

۶۹ - محمد اعظم خاں ولد محمد سربلند خاں مہمند (کوٹلہ محسن خاں)

۷۰ - سید محمد خاں ولد علی بہادر خاں دوبران (ہزارہ)

۷۱ - امین اللہ خاں ولد محمد عثمان خان اورک زئی (پشاور)

۷۲ - سردار آزاد خاں ولد سردار حسن علی منال

۷۳ - محمد خاں سردار بہادر ولد محمد حسن خاں

۷۴ - خان زمان خان ولد میر زماں خان (ہزارہ)

۷۵ - خاں بابا خان بہادر ولد سردار بہادر خاں (پشاور)

۷۶ - ارباب فتح خاں ولد ارباب جہانگیر خاں خلیل

۷۷ - فرید خاں ولد ارباب عبدالمجید خاں

۷۸ - محبت خاں ولد قادر خاں تورو

۷۹ - سردار نور محمد خاں ولد سردار حسن خاں لدہیانوی (کوہاٹ)

۸۰ - ارباب عبدلخالق خاں ولد ارباب شاہ پسند خاں گل بیلا

۸۱ - خواجہ محمد خاں ولد سربلند خاں آف ہوتی

۸۲ - سردار عزیز برق زئی ولد سلطان محمد خاں آف بہادر کوٹ

۸۳ - شیر محمد خاں کیانی ولد غلام حیدر خاں شاہ پور

۸۴ - نواب زادہ عبدالغفور خاں خٹک ولد نواب سر خواجہ محمد خاں تہری

۸۵ - عمر خاں خان بہادر بنگش - مرود خیل ولد خان

بہادر محمد امین خاں درسمند

۸۶ - شریف خاں ولد عزیز خاں ہمزہ کوٹ

۸۷ - عبدالغفار خاں ولد ابراہیم خاں زیدہ

۸۸ - عمر خاں سردار سلا خاں آف زیدہ

۸۹ - عمر خاں ولد امیر خاں شیوہ

۹۰ - اکبر خاں ولد نبی میری غازاں ٹوپی

۹۱ - ارباب عبدالرؤف خاں ولد نبی حبیب اللہ خاں

۹۲ - قاضی فضل الٰہی ولد قاضی فیض عالم سکندر پور (ہزارہ)

۹۳ - حبیب خاں سردار بہادر ولد نوبت خاں کندی

۹۴ - لطیف خاں بہادر ، رسالدار ولد حضرت خاں شاہ ترنگ زئی

۹۵ - سلیم خاں دودوسی ریٹائرڈ میجر ولد حضرت خاں شاہ ترنگ زئی

۹۶ - آفریدی خاں ولد امیر خاں بلا زئی

۹۷ - محمد جان ولد مولوی آف کافو تہری

۹۸ - محمد علی خاں ولد رسول خاں جہانگیرہ

۹۹ - غلام محمد خاں ولد خان بہادر فتح خاں خٹک جہانگیرہ

۱۰۰ - تاج محمد خاں ولد خانزادہ محمد خاں کوہاٹ

۱۰۱ - محمد عظیم خاں خٹک عرف یاسین خاں ولد نواب سر خواجہ محمد خاں تہری

۱۰۲ - قاضی امین جان ولد قاضی سعداللہ جان (پشاور)

۱۰۳ - میاں حسین شاہ کاکا خیل

۱۰۴ - دوست محمد ولد نواب خاں ستگری

۱۰۵ - شاہ داد خاں ولد خدا داد خاں بندہ پیر خاں

۱۰۶ - اسلم خاں خیل ولد سمند خاں

۱۰۷ - گلبر ولد احمد شیر مہمند - پنج پاؤ

۱۰۸ - آفتاب گل ولد عبدالرحمان میاں آبوزئی

۱۰۹ - دوست محمد ولد میر افضل خاں گڑہی دولت زئی

۱۱۰ - اکبر خاں ولد اللہ داد خاں (اسماعیلیہ)

۱۱۱ - شریف میاں ولد میاں محمد شاہ

۱۱۲ - علی اکبر خاں ولد قلندر خاں کلابت

۱۱۳ - عمر میاں ولد سید رسول اسماعیلیہ

۱۱۴ - قاضی میر عالم ولد قاضی غلام احمد سکندر پور (ہزارہ)

۱۱۵ - غلام حیدر خاں دہریال ولد عطا محمد خاں

۱۱۶ - عطا محمد خاں ولد حکم خاں

۱۱۷ - مخدوم غلام محمد ولد میر احمد کوٹ نجیب اللہ

۱۱۸ - شیخ محمد اکبر ولد شیخ مظفر خاں

۱۱۹ - قاضی محمد خاں ولد قاضی نجیب خاں

۱۲۰ - پیر دوست خاں ولد نواب خاں پنڈیالی

۱۲۱ - امیر خاں ولد مظفر خاں نندہار

۱۲۲ - میاں انورالدین ولد برہان الدین سرادہ تیری

۱۲۳ - سعداللہ خاں محمد ولد ارباب محمد خاں

۱۲۴ - عبداللہ خاں ولد ہستن خاں عمرزئی

۱۲۵ - نصراللہ خاں ولد میر امان خان شب قدریہ

۱۲۶ - سید عبدالمنان بادشاہ ابن عبدالرحمان

۱۲۷ - شاہباز خاں ولد الف خاں اتمان زئی

۱۲۸ - نصراللہ خاں ولد خوشحال خاں امبہ

۱۲۹ - سلطان خاں ولد نصیر خاں خلیل - شاہی بالا

۱۳۰ - ملک محبوب خاں ولد سکندر خاں مٹھہ خیل

۱۳۱ - فتح خاں ولد ترسوم خاں خوزند

۱۳۲ - میاں راحت شاہ کاکا خیل ولد مقدر شاہ زیارت

۱۳۳ - اعظم خاں ولد شجاع اللہ خاں خوزند

۱۳۴ - عنایت‌اللہ خاں ولد سربلند خاں

۱۳۵ - اکبر خاں ولد غفار خاں گدڑ پور

۱۳۶ - محمد خان ولد خیراللہ خاں کھٹیالیہ

۱۳۷ - عطا علی ولد مدد خاں

۱۳۸ - سرور خاں ولد محمد خاں مان پور

۱۳۹ - ملک جان کیانی ولد برہان حیدر خاں کیانی شاہ پور

کوہاٹ

۱۴۰ - شریف‌اللہ خاں ولد امیراللہ خاں چمکانی

۱۴۱ - سید احمد شاہ نبوری ولد سید مبارک شاہ نبوری

۱۴۲ - سید سکندر شاہ نبوری ولد سید مبارک نبوری

۱۴۳ - نوابزادہ سیدل خاں بنگش ولد نواب بہادر

۱۴۴ - شیر خاں بلند خاں ولد امیر حمزہ خاں امیر

۱۴۵ - سید معصوم گیلانی ولد سید گل بادشاہ بنوری

۱۴۶ - حیدر خاں ولد محمد امین خاں درسمند

۱۴۷ - فیض‌اللہ خاں ولد ارسلا خاں

۱۴۸ - حیدر شاہ میاں ابن باور میاں

۱۴۹ - میر حسن خاں ولد جہانگیر خاں تنگی

۱۵۰ - میر فضل علی شاہ ولد میر تقی شاہ

۱۵۱ - بہادر شاہ ولد فتح علی شاہ کاغان

۱۵۲ - احمد علی شاہ ولد میر گل شاہ پاوسی

۱۵۳ - ستار شاہ ولد غلام شاہ پلوسی

۱۵۴ - محمد حسین خان ولد فیض طالب خان مانسرہ

۱۵۵ - صوبیدار میجر سعداللہ خان ولد حاجی خان شیروال

۱۵۶ - احمد خان ولد قائم خان پنیان

۱۵۷ - بہرام خان ولد قادر خان تورو

۱۵۸ - قاضی ملا محمد ولد قاضی محمد حسین خان پشاور

۱۵۹ - محمد زمان خان خٹک ولد سمندر خان اکوڑہ

۱۶۰ - خان بہادر میاں غلام رسول ولد میاں محمد اعظم

۱۶۱ - صوبیدار میجر ضامن شاہ ولد احمد شاہ مردان

۱۶۲ - رسالدار میجر میرالانا خان واد محمد میر خان چمکانی

۱۶۳ - سید میر اصغر خان برادر میراکبر خان (تیرہ سید فیملی)

باب ۳

قوانین مزارعت

انگریز نے اپنے حمائتیوں اور وفاداروں کو خوش کرنے کے لئے جو نظام اراضی بنایا اس سے قدرتی طور پر کاشت کاروں اور مزارعوں میں بے چینی پیدا ہو گئی جو مختلف وقتوں میں لڑائی جھگڑے اور فساد کی صورت میں ظاہر ہوتی رہی - لیکن بجائے اس کے کہ بے چینی کے حقیقی اسباب کو دور کیا جاتا قوانین مزارعت کے ذریعے سے زمیندار اور مزارع کے تعلقات کا تعین کرنے پر اکتفا کیا گیا - اس سلسلے میں سب سے پہلا قانون ۱۸۵۹ء میں ''بنگالی لگان ایکٹ'' کے نام سے وضع ہوا - جس میں ۱۸۸۵ء میں ترمیم کر دی گئی - اس قانون کی رو سے جو مزارع کسی گاؤں میں بارہ سال تک کاشت کرتا اُسے موروثی قابض کے حقوق مل جاتے اور جب تک اس کے

خلاف عدالتی ڈگری (DECREE) جاری نہ ہوتی، اُسے بے دخل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس قانون کے تحت پانچ سال تک لگان میں بھی اضافہ نہیں ہو سکتا تھا۔ بعد ازاں زمینداروں کو سہولتیں دینے کے لئے اسی قانون میں وقتاً فوقتاً ترمیم ہوتی رہی لیکن مزارعیں کا اضطراب دور نہ ہو سکا۔

۱۹۴۲ء میں سندھ کے ہاریوں نے ایجی ٹیشن کی تو حکومت نے ایک کمیٹی قائم کر دی۔ جس نے یہ سفارش کی کہ جو ہاری مسلسل آٹھ برس تک ایک ہی زمیندار کی کم سے کم چار ایکڑ زمین پر کاشت کرتا رہے اسے حقوق مزارعت دے دیئے جائیں۔ کمیٹی نے یہ بھی سفارش کی کہ ہاری کو صرف اس صورت میں بے دخل کیا جائے کہ وہ ذاتی طور پر کاشت نہ کرے یا لگان ادا نہ کرے یا کھیت سے ایک میل کے فاصلہ کے اندر رہائش رکھنے کو تیار نہ ہو یا کسی جرم میں ماخوذ ہو جائے لیکن کمیٹی کی اس رپورٹ پر کوئی کارروائی نہ ہوئی۔ مارچ ۱۹۴۷ء میں سر راجر ٹامس (ایک زمیندار) کی سرکردگی میں ایک اور کمیٹی قائم کی گئی جو ہاری کمیٹی کے نام سے مشہور ہے اور جس کی رپورٹ میں (بھگوان) مسعود نے ایک اختلافی نوٹ شامل کرنا چاہا تھا لیکن وہ شائع نہ ہو سکا۔ اس کمیٹی کی رپورٹ کا خلاصہ یہ ہے کہ سندھ کے ہاریوں کو اگر کوئی تکلیف ہے تو اُس کا

ذمہ دار وہ خود ہے - ورنہ مالکان اراضی تو اس کے دوست ہیں یہ الگ بات ہے کہ ہاری ''نا شکرا،، ہے اور زمیندار کے ''احسانات،، کو تسلیم نہیں کرتا - کمیٹی نے ہاریوں کو مستقل حقوق کاشت دینے پر اعتراض کیا - تاہم ارکان کی اکثریت نے یہ تجویز پیش کی کہ حکومت بٹائی کو باقاعدہ بنانے اور ہاریوں کو حقوق دینے کے لئے مزارعوں کے حقوق کا قانون منظور کرے - چنانچہ ۱۹۵۰ء میں سندھ قانون مزارعت نافذ ہوا - جس میں مزارعوں سے بے گار اور نذرانے لینے کی ممانعت کر دی گئی - جو مزارع کم از کم تین سال تک ایک ہی مالک کے چار ایکڑ رقبہ پر کاشت کرے - اس کے مستقل حقوق مزارعت بھی تسلیم کر لئے گئے - تاہم یہ قانون مزارعوں کو پوری طرح تحفظ دینے میں ناکام رہا -

پنجاب میں ۱۹۵۰ء تک ۱۸۸۷ء والا قانون مزارعت ہی رائج تھا - جو موروثی مزارعوں کے حقوق تو تسلیم کرتا ہے - لیکن غیر موروثی مزارعوں کو کوئی تحفظ نہیں دیتا - مارچ ۱۹۴۹ء میں حکومت پنجاب نے ملک فیروز خان نون کی صدارت میں ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی - ملک صاحب مرحوم چونکہ خود ایک بہت بڑے زمیندار تھے - اس لئے وہ اس کے سوا کچھ نہ کر سکے کہ غیر موروثی مزارعوں کو ایک حد تک تحفظ عطا کر دیں اور ناجائز وصولیاں بند کرنے کی

سفارش کریں - اس کمیٹی کی رپورٹ کی بناء پر ۱۹۵۰ء اور ۱۹۵۲ء میں جو زرعی اصلاحات نافذ کی گئیں اُن کا مقصد بے دخلیوں کو روکنا اور مزارعوں کو تحفظ دینا تھا - بایں ہمہ یہ شکایات بدستور پیدا ہوتی رہیں کہ مالک اراضی پیداوار کی رسید نہیں دیتے یا کھیت سے اپنے حصے کی فصل نہیں اُٹھاتے اور بٹائی نہ کرنے کے الزام میں بے دخلی کی درخواست دے دیتے ہیں - اس کے علاوہ مقررہ میعاد تک کاشت کرنے کے باوجود مزارع کو تحفظ حاصل نہیں - مالک اراضی اس سے لمبی مدت کے معاہدے کر کے بدستور کام لیتا رہتا ہے - اس کے علاوہ خود کاشت اراضی پر ان قوانین کا اطلاق نہیں ہوتا - ۱۹۵۲ء کے قانون مزارعت کے تحت موروثی کاشت کاروں کو بھی حقوق ملکیت دیئے جا سکتے ہیں - مالک اراضی کا حصہ پچاس فیصد سے گھٹا کر چالیس فیصد کر دیا گیا ہے اور خود کاشت اراضی کے بارے میں بھی ہدایات جاری کر دی گئی ہیں - پنجاب میں مزروعہ رقبہ کا سات فیصد موروثی کاشتکاروں کے پاس ہے - ان میں سے بعض اجناس کی صورت میں لگان ادا کرتے ہیں اور بعض مالیہ کے فی روپیہ دو آنے سے آٹھ آنے تک ''مالکانہ،، دیتے ہیں - اسمیں شبہ نہیں کہ ان زرعی اصلاحات کے تحت بعض موروثی کاشتکاروں کو حقوق ملکیت مل رہے ہیں لیکن بحیثیت مجموعی یہ رفتار

بہت سست ہے -

اسی قانون کے تحت کوئی مالک اراضی (جو ایک ایکڑ سے زائد اراضی کا مالک ہو) خود کاشت کے لئے پچاس ایکڑ نہری ، پچھتر ایکڑ نیم نہری اور سو ایکڑ غیر نہری سے زائد رقبہ اپنے پاس نہیں رکھ سکتا - (سو ایکڑ سے کم مالکان اراضی کے لئے نہری رقبہ کی حد پچیس ایکڑ ہے) لیکن زمیندار پہلے تو خود کاشت کے رقبہ کے اطلاق ہی سے گریز کرتے رہے اس کے بعد ان میں سے اکثر نے چالیس فیصد لگان اور بے دخلی کے قوانین پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا -

پنجاب کی مجلس قانون ساز نے اپنے جنوری ۱۹۵۲ء کے اجلاس میں جو زرعی اصلاحات کے بل پاس کئے - ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے -

(الف) ۱ - تمام ایسے موروثی مزارعین جو زمیندار کو سرکاری موجبات کی رقوم کے سوا کوئی اور لگان نہ دے رہے ہوں - مالکان کو کسی قسم کا معاوضہ دیئے بغیر اپنی زمینوں کے مالک بن جائیں گے -

۲ - اگر موروثی مزارعین پیداوار کا کوئی حصہ بطور لگان دے رہے ہوں تو وہ اراضی کے اتنے حصے کے مالک بن جائیں گے جو ان کے حصہ پیداوار کے مطابق ہو گا - اس کے لئے بھی انہیں معاوضہ مالک کو نہیں دینا پڑے گا -

۳ - ایسے موروثی مزارعین جو لگان نقدی کی صورت میں ادا کر رہے ہوں یا کچھ حصہ نقدی کی صورت میں اور کچھ پیداوار کی صورت میں دے رہے ہوں معاوضہ دے کر مالک بن جائیں گے - اس سلسلے میں حکومت معاوضہ کی رقم اور صورت کا تعین کرنے کے لئے قواعد وضع کرے گی - قانون میں یہ گنجائش رکھی گئی ہے کہ معاوضہ ادا کرنے کے لئے حکومت موروثی مزارع کو روپیہ قرض دے دے اور اسے بعد میں بقایا جات مالیہ اراضی کی شکل میں آسان قسطوں میں وصول کر لے -

۴ - آئندہ کوئی موروثی مزارعت قائم نہیں ہو گی -

(ب) ۱ - سو ایکڑ سے زیادہ اراضی کے مالک کے لئے یہ ضروری ہو گا کہ وہ پچاس ایکڑ نہری یا سو ایکڑ غیر نہری زمین خود کاشت کے لئے مخصوص کر کے باقی زمین مزارعین کو کاشت کے لئے دے - خود کاشت کے مخصوص کرنے کی آخری تاریخ ۳ جنوری ۱۹۵۳ء ہے -

۲ - اگر سو ایکڑ سے زیادہ اراضی کا مالک ایکٹ کے نفاذ کے وقت پاکستان کی فوجی ملازمت میں ہو تو اسے ایسی ملازمت سے سبکدوش ہونے سے چھ ماہ کے اندر اندر مقررہ خود کاشت رقبہ سے زائد اراضی مزارعین کو لگان پر دینا پڑے گی -

۳ - اگر کسی شخص کو جسے متزکرہ بالا ضمن کے

تحت مزارعین کو اراضی دینے کا حکم ملا ہو - مناسب مزارعین نہ مل سکیں تو اُس کے لازم ہوگا کہ وہ اپنے ضلع کے حاکم مال کو درخواست دے - حاکم مال اس کے لئے مزارع تلاش کرے گا - جب مزارع دستیاب ہو جائیں تو مالک کے لئے ضروری ہوگا کہ اُنہیں فی‌الفور متعلقہ اراضی کا قبضہ دیدے -

۴ - اگر کسی شخص کے پاس سو ایکڑ سے کم اراضی ہو تو وہ اپنی تمام زمین جسے وہ خود ہی بوقت نفاذ ایکٹ (۴ فروری ۱۹۵۲ء) کاشت کر رہا ہو - خود ہی کاشت کرتا رہے گا - اُسے زمیں کا کوئی حصہ کسی مزارع کو نہیں دینا پڑے گا - اگر ایسا نہیں ہے تو ۲۵ ایکڑ سے زائد زمین کو خود کاشت بنانے کے لئے وہ کسی مزراع کو بے دخل نہیں کر سکے گا -

۵ - خود کاشت کے لئے جو زمین زمیندار مخصوص کر سکے گا وہ موجودہ باغ یا باغات یا بنجر قدیم کے علاوہ ہوگی - لیکن اگر زمیندار خود کاشت کے لئے زمین مخصوص کرنے کے بعد اُس میں باغ لگا دے تو اُس باغ کی زمین کو خود کاشت کی مقررہ حد کے علاوہ شمار نہیں کیا جائے گا -

۶ - زمینوں کو خود کاشت کرنے کے لئے مخصوص کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس زمین کو مالک خود ضرور کاشت کرے ایسی مخصوص زمین مزارعوں کو دی جائے تو

ایسے مزارعوں کو مستقل حق مزارعت حاصل نہ ہوگا ۔

۷ ۔ اگر مالک زمین ایکدفعہ کسی زمین کو خود کاشت کے لئے چن لے تو وہ اُسے پھر کسی اور زمین سے نہیں بدل سکتا ۔ اور اگر خود کاشت کے لئے مخصوص کی ہوئی زمین کا کوئی حصہ کسی اور کے نام منتقل کر دے تو اُس کی جگہ اپنے باقی خود کاشت رقبے کو بڑہا نہ سکے گا ۔ البتہ اُس کو رقبہ کے ساتھ تبدیل کرنے کا حق ہوگا ۔ جس میں وہ بعد ازاں حقوق ملکیت وراثت میں حاصل کرے ۔ لیکن اگر اس طرح مخصوص شدہ زمین یا اُس کا کچھ حصہ حکومت نے قانوناً حاصل کر لیا ہو یا دریا برد ہوگیا ہو یا اس اراضی کا پچاس فیصد یا زیادہ سیم یا تھور کی وجہ سے ناقابل کاشت ہو جائے تو وہ اپنی ملکیت میں سے اپنے لئے اتنی زمین اور لینے کا حقدار ہوگا جتنی ملا لینے سے کل قابل کاشت رقبہ پھر پچاس ایکڑ ہو جائے ۔ سیم اور تھور کی زد میں آئی ہوئی جو زمین قابل کاشت ہو اُس کی بجائے مزید زمین حاصل نہیں کی جا سکے گی ۔

۸ ۔ مویشیوں اور گھوڑوں کی پرورش کے جو فارم حکومت کے تسلیم شدہ ہیں ان کی اراضی اس پابندی سے آزاد ہوگی ۔ اس قسم کے فارمولوں کی زمین اس سے قطع نظر کہ اس کا رقبہ کتنا ہے ۔ مالک کے خود کاشت رقبے ہی میں شمار ہوگی ۔ لیکن اس قسم کے فارم کے مالک کو فارم کی زمین کے

علاوہ اور زمین رکھنے کا حق نہیں ہوگا خواہ اس فارم کا رقبہ ۵۰ ایکڑ سے کم ہی کیوں نہ ہو۔

۹۔ اگر کسی شخص کے پاس ۲۵ ایکڑ یا اس سے زیادہ زمین ہو تو اُسے بحیثیت مزارع کوئی زمین نہیں دی جائے گی اور کوئی مزارع ۲۵ ایکڑ سے زیادہ زمین اپنے قبضے میں بحیثیت مزارع نہیں رکھ سکے گا۔ حکومت کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ کسی شخص یا اشخاص کے طبقے کو یا کسی زمین یا اراضیات کی قسم کو ان احکام و شرائط سے مستثنیٰ قرار دے سکے۔ مزید یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ با قبضہ اراضی کا مرتہن ، سرکاری زمین کا مزارع جس نے حقوق ملکیت حاصل نہ کئے ہوں ، پٹہ دار یا متروکہ زمین کا الاٹی بھی اس دفعہ کی اغراض کے لئے مالک تصور کیا جائے گا۔

۱۰۔ لگان ادا نہ کرنے کی مہم میں حصہ لینے کو ایسی جائز وجہ شمار نہیں کیا جائے گا۔ جس کی بنا پر کسی مجاز عدالت میں کسی مزارع کو بے دخل کرانے کی کوشش کی جا سکے گی۔

(ج) ۱۔ کوئی مالک اب زمین کی پیداوار کے چالیس (۴۰) فیصد حصے سے زیادہ لگان وصول نہیں کر سکے گا۔ اگر کوئی مزارع چالیس (۴۰) فیصد سے کم لگان دے رہا ہے

تو اُس سے لگان بڑہانے کا مطالبہ نہیں کیا جا سکے گا - کسی زمین پر جو بھی سرکاری مواجب عائد ہوتے ہیں یعنی مالیہ ، آبیانہ - مقامی شرح اور دیگر محاصل (سوائے اس ٹیکس کے جو شہری جائداد غیر منقولہ پر عائد ہوتا ہے) وہ زمیندار یا مزارع کو اُسی تناسب سے مشترکہ طور پر ادا کرنے ہوں گے - جس تناسب سے زمین کی پیداوار اُن میں تقسیم ہوگی - مگر مزارع کسی صورت میں بھی ساٹھ فیصد سے زیادہ حصہ ادا نہیں کرے گا -

۲ - اگر اس قانون کے نفاذ کے وقت مزارع سرکاری مواجب کا کوئی حصہ ادا نہ کر رہا ہو تو اُسے نفاذ کے بعد بھی کوئی حصہ نہیں دینا پڑے گا - اگر مزارع پیداوار میں اپنے حصے سے کم تناسب میں سرکاری مواجب ادا کر رہا ہو تو اُس سے زیادہ ادائیگی کا ذمہ دار نہیں ہوگا البتہ اگر پیداوار میں اُس کا حصہ نئے قانون کی بدولت پچاس (۵۰) فیصد سے بڑھ کر ساٹھ فیصد ہو جائے تو اُسے سرکاری مواجب کا دس فیصد حصہ ادا کرنا پڑے گا - بشرطیکہ اس اضافے سے اُس کا کل حصہ سرکاری مواجب میں ساٹھ فیصد سے بڑہنے نہ پائے -

۳ - جہاں مزارع اور مالک کا حصہ مواجب سرکار میں

پہلے ہی ساٹھ اور چالیس فیصد مقرر تھا اور مزارع ساٹھ فیصد سے زیادہ ادا کرتا تھا وہاں اب ساٹھ فیصد سے زائد ادائیگی کا بوجھ زمیندار کو اٹھانا ہوگا۔

۴ - جہاں مزارع اور زمیندار پیداوار کو دو تہائی اور ایک تہائی کی نسبت سے تقسیم کرتے تھے وہاں بالعموم مزارع تمام سرکاری مواجب کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ نئے قانون کے تحت وہ سرکاری مواجب کی صرف دو تہائی ادا کرے گا۔ باقی رقم زمیندار کو ادا کرنا پڑے گی۔

(د) اگر کوئی ایسا مزارع جو زمین پر کسی مقررہ مدت کے لئے قابض نہیں ہے فوت ہوجائے اور وہ زمین اس رقبے میں شامل نہیں ہے جو زمیندار نے خود کاشت کے لئے مخصوص کی ہوئی ہے تو وہ زمین مزارع کے نرینہ بچے کو مل جائے گی۔ جسے اس نے تحریری طور پر نامزد کر دیا ہو۔ اگر ایسی نامزدگی موجود نہ ہو تو مزارعت متوفی کے سب سے بڑے نرینہ بچے کے نام منتقل ہوگی لیکن اگر متوفی مزارع کے اولاد نرینہ نہ ہو تو حقوق مزارعت ختم ہوجائیں گے۔

(ہ) مندرجہ ذیل جرائم قابل سزا سمجھے جائیں گے اور ان کے لئے ایک سال کی قید اور جرمانہ کی سزا یا دونوں ہوسکے گی۔

۱ - اگر کوئی مالک مزارع سے اُس بیج کے علاوہ جو مستعار دیا گیا ہو کچھ زائد وصولی کرلے -

۲ - اگر مالک اپنے مقررہ لگان کے علاوہ کوئی وصولی، خرچ - محصول - محصول دیہہ یا نذرانے وغیرہ کی صورت میں کرے -

۳ - اگر مالک قانون کے خلاف مزارع کو بے دخل کرے -

۴ - اگر کوئی زمیندار خود کاشت کے مقررہ رقبہ سے زائد اراضی مزارعین کو نہ دے یا حاکم مال کو اس امر کی اطلاع نہ دے کہ اُس کے پاس اتنی زمین زائد ہے -

۵ - مزارع کو صرف اس صورت میں سزا دی جا سکتی ہے جبکہ کسی حاکم مجاز نے اُس کی بے دخلی کا حکم صادر کر دیا ہو اور وہ بے دخل ہونے سے انکار کرے -

قانون تنسیخ جاگیرات پنجاب کی رو سے قانون کے نفاذ کے وقت نقدی کی صورت میں جو جاگیریں دی جا رہی تھیں وہ تمام کی تمام منسوخ ہو جائیں گی لیکن جو جاگیریں فوجی خدمات کے عوض دی گئی ہوں یا مذہبی یا خیراتی اداروں کی خاطر ہوں گی اُنہیں منسوخ نہیں کیا جائے گا اس کے علاوہ اس قانون کی رو سے آئندہ جاگیر بخشی ختم کر دی گئی ہے -

قانون (ترمیم) انہار خود کی رو سے حکومت نجی ملکیت کی طغیانی کی نہروں کو بلا معاوضہ اپنی ملکیت میں لے سکے گی اور اگر چاہے تو اُن کی جگہ ایک مستقل نہر بنا سکے گی - اس قسم کی نجی ملکیت کی نہریں زیادہ تر ضلع شاہ پور میں ہیں جہاں تقریباً باون ہزار ایکڑ رقبہ اُن کے تحت ہے -

۱۹۵۱ء کا قانون دراصل دولتانہ وزارت کی زرعی اصلاحات کا کرشمہ ہے اول تو یہ اصلاحات ہی نامکمل تھیں دوسرے ان پر عمل بھی بے دلی سے ہوتا رہا -

باب ۴

ایوبی اصلاحات اراضی

۱۹۵۹ء میں صدر ایوب نے مغربی پاکستان کے تمام صوبوں میں جو زرعی اصلاحات نافذ کیں ان کی رو سے ملکیت اراضی کی حد چھتیس ہزار پیداواری یونٹ مقرر کی گئی جو نہری رقبہ کے پانچسو ایکڑ اور غیر نہری رقبہ کے ایک ہزار ایکڑ کے برابر تھی ۔ اس کے علاوہ بارہ ہزار پیداواری یونٹ عطیہ کے طور پر دیئے جا سکتے تھے اور ڈیڑھ سو ایکڑ باغات کے تحت رکھے جا سکتے تھے ۔ مغربی پاکستان میں سب سے بڑا زرعی رقبہ ساڑھے تین لاکھ ایکڑ ہے ۔ زرعی اصلاحات کے تحت جو ضبطی عمل میں لائی گئی اس سے چھ ہزار کے قریب مالکان اراضی متاثر ہوئے اور ان سے دو لاکھ تیس ہزار ایکڑ کے قریب زمین حاصل کی گئی اس کے علاوہ ستر ہزار ایکڑ زمین جاگیرداروں

سے لے لی گئی - اس طرح بحیثیت مجموعی تین لاکھ ایکڑ رقبہ بحق سرکار ضبط کر لیا گیا - لیکن بلا معاوضہ نہیں - اسکے لئے ایک روپیہ سے پانچ روپیہ فی پیداور کی یونٹ معاوضہ طے ہوا - جو ''وراثتی بانڈ،، کی صورت میں منتقل کر کے اس پر چار فیصد سالانہ سود ادا کیا جا رہا ہے یہ رقم سٹیٹ بنک کے کھاتہ میں ''عوامی قرض،، کے نام سے ڈال دی گئی ہے -

صدر ایوب کی ان زرعی اصلاحات کے جو نتائج اب تک منظر عام پر آئے ہیں اُن کا خلاصہ درج ذیل ہے -

۱ - بہت سے مالکان اراضی ایسے ھیں جن کے پاس ابھی تک چھتیس ہزار پیداواری یونٹ سے زائد زمین موجود ہے -

۲ - بارہ ہزار پیداواری یونٹ چونکہ عطیہ کے طور پر دیئے جا سکتے تھے اور ڈیڑھ سو ایکڑ کو باغات میں منتقل کیا جا سکتا تھا اس لئے کوئی مالک اراضی خسارے میں نہیں رہا - کیونکہ عطیہ اپنے بیوی بچوں یا رشتہ داروں کے پاس رہا اور باغات سے آمدنی میں اضافہ ہو گیا -

۳ - مالکان اراضی نے جو زمین ضبط کرائی ہے وہ عام طور پر بنجر اور ناممکن ہے - جس کا معاوضہ اُنہوں نے زرخیز زمین کے حساب سے وصول کیا ہے لہٰذا زرعی اصلاحات سے وہ فائدے میں رہے کیونکہ عام حالات میں شائد یہ زمین اتنے اچھے داموں فروخت نہ ہو سکتی -

۴ - معاوضہ کو سرکاری کفالتوں کی صورت میں منتقل کرنے سے مالکان اراضی کے لئے ایک لمبے عرصے تک معقول آمدنی کی صورت پیدا ہو گئی -

۵ - بہت سے مالکان اراضی اپنی پرانی زمینوں سے پہلے ہی تنگ آچکے تھے اب انہوں نے سندھ اور پنجاب کی نو آبادیوں میں زرخیز زمین حاصل کر لی ہے یا اپنا سرمایہ شہری جائیدادوں میں لگا لیا ہے -

۶ - کئی مالکان اراضی ہیں جو خود یا جن کے رشتہ دار حاکم یا سرکاری افسر یا فوجی ہیں ان کو ایوب حکومت نے مزید زمین ''انعام'' کے طور پر دے دی ہے -

۷ - حصول اراضی کے بعد زرعی پیداوار اور زمین دونوں کی قیمت بہت بڑھ گئی اس لئے زمینداروں نے حکومت سے خسارے کا سودا نہیں کیا بلکہ وہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ امیر اور خوشحال ہوگئے ہیں -

۸ - بظاہر ضبط شدہ زمین مزارعوں میں بانٹی گئی ہے لیکن اندر خانہ چونکہ مالکوں نے اپنے مزارعوں سے سمجھوتہ کر رکھا ہے اس لئے صورت حال میں کوئی فرق نہیں پڑا -

زرعی اصلاحات کے بعد مالکان اراضی کے پاس کتنی زمین رہ گئی ہے؟ اس کا کھوج لگانا آسان نہیں کیونکہ کوئی زمیندار یا اس کا کارندہ اپنا راز بتانے پر آمادہ نہیں ہوتا - تاہم

راقم الحروف نے پنجاب ، سندھ اور سرحد کے تقریباً تمام صوبوں سے نمونہ کے طور پر اعداد و شمار فراہم کئے ہیں تا کہ موجودہ برسر اقتدار حکومت کی رہنمائی ہو سکے - ضرورت اس بات کی ہے کہ نہ صرف چھوٹے بڑے زمیندار کی ملکیت کا جائزہ لیا جائے بلکہ یہ بھی دیکھا جائے کہ اس کے پاس یہ زمین کہاں سے آئی ؟ اگر یہ زمین غداری کے صلہ میں ملی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ مالک اراضی خود ہی انگریزی دور کے خطابات کی طرح اسے رضاکارانہ حکومت کے حوالے نہ کر دے ورنہ اس بات کا جواز خود بخود پیدا ہو جائے گا کہ عوامی حکومت آسے بلا معاوضہ چھین لے - میں نے اعداد و شمار میں ''کسر،، درج نہیں کی بلکہ پورا عدد بنا دیا ہے - کچھ زمین بے کار پڑی رہتی ہے یا متفرق مصرف میں ہوتی ہے اس لئے وہ حساب میں نہیں آئی - یہی وجہ ہے کہ کل میں سے عطیہ اور ضبطی کا رقبہ خارج کر دیا جائے تو حاصل وہی نہیں جو میں نے بتایا ہے -

میاں افتخارالدین : لاہور ڈویژن میں زرعی اصلاحات سے پہلے میاں افتخارالدین مرحوم کے نام دو ہزار ایک سو پندرہ ایکڑ زمین تھی جس میں سے ۱۵۳ ایکڑ بطور عطیہ دے دیئے گئے - ۱۲۸۳ ایکڑ ضبط کر لئے گئے اور اب آن کے نام اندازاً ۵۲۹ ایکڑ رہ گئے ہیں یہ رقبہ عام طور پر بیگم باغ کے نام سے مشہور ہے جو واگزار ہو چکا ہے -

چوہدری محمد زبیر سندیلہ : ان کے پاس شیخوپورہ میں ۸۹۳ ایکڑ تھے جن میں سے ۳۶۹ ایکڑ ضبط کئے جا چکے ہیں اور باقی تقریباً ۵۳۰ ایکڑ ان کے پاس ہیں ۔

سلیمان سکندر : گوجرانوالہ میں ان کے پاس ۱۷۱۹ ایکڑ تھے جن میں سے ۸۹۹ ایکڑ عطیہ کے طور پر گئے ۔ ۳۲۰ ایکڑ ضبط کر لئے گئے پانچسو ایکڑ باقی ہیں ۔

لفٹیننٹ کرنل کونول : ضلع میں ۱۷۲۲ ایکڑ کے مالک لفٹیننٹ کرنل کونول تھے جو خود انگلستان میں رہتے ہیں ۔ ان کی زمین پر مہاجر خاندانوں کا قبضہ ہے ۱۰۸۹ ایکڑ بحق سرکار ضبط کی جا چکی ہے باقی ۶۳۳ ایکڑ موجود ہے ۔ سنا ہے کہ حکومت نے کونول صاحب کو بارہ ہزار روپیہ الاؤنس دینے کا اقرار کیا تھا ۔

مشتاق احمد گورمانی : مظفر گڑھ میں گورمانی صاحب ۴۸۰۰ ایکڑ زمین کے مالک تھے اس میں سے ۱۸۰ ایکڑ حکومت کے حوالے کر دیئے گئے ۔ ۳۵۸۹ ایکڑ موجود ہیں کہا جاتا ہے کہ جو علاقہ ضبط ہوا وہ غیر آباد تھا لیکن اسے نہری لکھوا دیا گیا ہے ۔

عطا محمد : ان کے پاس ۴۲۰۰ ایکڑ تھے ۔ ۱۸۸۶ ایکڑ حکومت نے لے لئے باقی ۲۳۱۵ ایکڑ ان کے پاس ہیں ۔

علمدار شاہ : ملتان ڈویژن میں علمدار شاہ کے پاس

۳۸۳۴ ایکڑ زمین تھی جس میں سے ۲۲۷۸ ایکڑ حکومت نے لے لی اب ۵۵۵ ایکڑ کے وہ مالک ہیں۔

دیوان غلام عباس: دیوان صاحب ۳۴۶۴ ایکڑ زمین کے مالک تھے۔ پندرہ سو ایکڑ عطیہ کے طور پر دے دی گئی۔ ۱۳۱۰ ایکڑ پر حکومت نے قبضہ کر لیا اب ۵۵۴ ایکڑ رہ گئے ہیں۔

غلام نقشبند خان: ملتان ڈویژن میں غلام نقشبند خاں کے پاس ۳۱۰۵ ایکڑ زمین تھی جس میں سے آٹھ سو ایکڑ عطیہ کے گئے۔ ۱۱۰۵ ایکڑ حکومت کے حوالے کر دیئے گئے اب بارہ سو ایکڑ اُن کے پاس ہے۔

میجر حمید علی خاں ولد میجر سردار خاں نون کا رقبہ ۸۲۸ ایکڑ تھا جس میں ۶۰ ایکڑ عطیہ کے اور ۱۸۷ ایکڑ ضبط کئے گئے۔ اب ۲۴۶ ایکڑ ان کے پاس ہیں۔

میاں نذیر حسین رانجھا: سرگودہا میں ان کے پاس ۱۳۸۵ ایکڑ تھے جس میں سے ۳۶۶ ایکڑ عطیہ اور ۲۷۶ ایکڑ ضبطی کے ہوئے باقی ۲۴۲ ایکڑ رہ گئے۔

غضنفر عباس شاہ: جھنگ میں ان کا رقبہ ۲۶۹۷ ایکڑ تھا۔ ۱۷۸۸ ایکڑ حکومت کے حوالے کر دیئے ۹۰۹ ایکڑ موجود ہیں۔

علی حسن شاہ: مجموعی رقبہ ۱۹۷۸ ایکڑ تھا۔ ۲۵۲

ایکڑ عطیہ کے طور پر دیئے گئے - ۸۷۸ ایکڑ ضبط ہو گئے ۸۴۸ ایکڑ موجود ہیں -

کرنل عابد حسین شاہ (مرحوم) : ان کے پاس ۳۰۵ ایکڑ تھے - ۷۴۴ ایکڑ عطیہ کے ہیں - ۱۲۱۰ ایکڑ گھوڑی پال کے طور پر دیئے - ۲۴۶ ایکڑ حکومت نے لے لئے ۷۴۹ ایکڑ ان کے پاس ہیں -

اللہ داد لالی : کل رقبہ ۱۱۸۲ ایکڑ - عطیہ ۲۶۰ ایکڑ ضبط ۲۵۶ ایکڑ - باقی ۶۶۶ ایکڑ -

راجہ افضال مہدی مرحوم : جہلم میں ان کے پاس ۳۲۸۵ ایکڑ تھے ۱۵۲۲ ایکڑ حکومت نے لے لئے ۱۷۶۳ ایکڑ موجود ہیں -

سردار حمید اکبر خان ولد محمد اکبر خان : کیمبل پور میں ان کی زمین کا رقبہ ۴۱۸۰ ایکڑ تھا جس میں سے ۵۹۱ ایکڑ عطیہ کے طور پر دیئے گئے - ۲۰۴۹ ایکڑ حکومت نے رکھوا لئے ۱۵۳۹ ایکڑ رہ گئے ہیں -

سردار محمد نواز خان : مجموعی رقبہ ۹۵۸۳ ایکڑ ۸۱۸۸ ضبط - اپنے پاس ۱۳۶۵ ایکڑ -

نواب قطب الدین ٹونک : نواب ٹونک کے پاس بیس ہزار ایکڑ زمین تھی جس میں سے ۷۴۵۱ ایکڑ حکومت نے لے لی ۸۱۴ ایکڑ عطیہ کے طور پر دے دیئے گئے غالباً سب سے

زیادہ متاثر نواب صاحب ہوئے - کیونکہ ڈیم کی تعمیر کے باعث ان کو پانی بھی میسر نہیں آتا رہا اور اب تمام زمین پر غیروں کا قبضہ ہے -

عبدالغفور : ڈیرہ اسماعیل خان ڈویژن میں ان کے پاس پانچ ہزار ایکڑ زمین تھی - جس میں سے ٢٧٠٠ ایکڑ حکومت نے ضبط کر لئے ٦٢٨ ایکڑ عطیہ دے دیئے اور اب ١٧٥٠ ایکڑ ان کے پاس ہے -

عبدالستار خان : ان کے پاس ڈیرہ اسماعیل خان میں ٢٦٣٢ ایکڑ تھے - جن میں سے ٢٦٤ ایکڑ ضبط ہو گئے تاہم ٢٣٦٨ ایکڑ موجود ہیں -

نواب تنگی : پشاور ڈویژن میں ان کے پاس ١٤٤٢ ایکڑ تھے - جن میں سے ٦٦٨ ایکڑ باقی رہ گئے ہیں کیونکہ ٣٢٨ ایکڑ عطیہ کے نکل گئے - اور ٤٤٢ ایکڑ حکومت کو دیدیئے -

راجہ عزیز احمد خان : ہری پور ہزارہ میں ان کے پاس ٣٢٩٠ ایکڑ تھے - جن میں سے ٧٣٩ ایکڑ تحفہ کے نکل گئے ٥٦١ ایکڑ حکومت نے لے- لئے اب ١٩٢٠ ایکڑ رہ گئے ہیں -

راجہ رکن زمان : ان کے پاس ٣١ مواضع میں پھیلی ہوئی ٥٩١٦ ایکڑ زمین تھی جس میں سے ١٢٢٥ ایکڑ بطور عطیہ دے دیئے گئے ٢٩٩٥ ایکڑ حکومت نے لے لئے - اب ١٦٩٦ ایکڑ باقی ہیں -

عزیزالرحمان خان : مجموعی رقبہ ۱۳۲۰ ایکڑ - عطیہ ۹۲۶ ایکڑ- ضبط ۵۴۳ ایکڑ - اپنے پاس ۵۸۱ ایکڑ -

نواب باز محمد خان : مجموعی رقبہ ۳۲۴۰٦ ایکڑ- ضبط ۲۹۲۳٦ ایکڑ - باقی ۳۱٦۹ ایکڑ -

عبدالستار شاہ : میانوالی کے عبدالستار شاہ کے پاس ۷۰۷۳ ایکڑ تھے - جن میں سے ۵۵۷۰ ایکڑ ضبط کر لئے گئے - ۱۵۰۴ ایکڑ باقی ہیں -

کیپٹن عبدالرحمان : میانوالی میں ان کے پاس ۵۵۹۷ ایکڑ زمین تھی - ۱۲٦۱ ایکڑ عطیہ کے طور پر دے دی - ۳۳۰۰ ایکڑ بحق سرکار ضبط ہو گئے - ۱۰۳۳ ایکڑ اب بھی موجود ہیں -

سلطان صلاح الدین خان : تحصیل عیسیٰ خیل میں انکے پاس ۵۰۰٦ ایکڑ تھے - ۱۲٦۲ ایکڑ عطیہ کے طور پر گئے - ۱۷۲۴ ایکڑ حکومت نے لے لئے - ۲۰۱۹ موجود ہیں -

لفٹیننٹ کرنل محمد اسلم خان : مجموعی رقبہ ۴۵۵۵ ایکڑ ۲۸۳۴ ضبط - ۱۷۲۱ موجود -

عفیفہ بیگم ہمشیر سردار جمال خاں لغاری : ماڈل ٹاؤن لاہور میں رہتی ہیں - ڈیرہ غازی خان میں ۸۷۵۴ ایکڑ زمین تھی - ٦۰۸٦ ایکڑ حکومت نے لے لی - ٦٦۸ ایکڑ موحود ہیں -

سردار ذوالفقار علی خان : کل رقبہ ۹۷۰ ایکڑ عطیہ ۶۳۹ ایکڑ ضبط ۵۲۶۸ ایکڑ موجود ۱۰۶۳ ایکڑ -

حق نواز گشکوری : کل رقبہ 3.025 ایکڑ- عطیہ ۱۳۷ ایکڑ - ضبط ۹۱ ایکڑ - موجود ۲۲۲۱ ایکڑ -

سردار محمد خان لغاری : کل رقبہ 18583 ایکڑ- ۱۶۷۷۲ ایکڑ ضبط - باقی 1811 ایکڑ -

سردار تاج محمد خان : ۳۱۱۴ ایکڑ عطیہ - ۱۲۷۸ ایکڑ ضبط ۱۲۷۲ ایکڑ - باقی 1751 ایکڑ -

میجر شمس الدین ولد مولوی غلام حسین خان : رئیس بہاول پور کے پاس ۲۰۶۰ ایکڑ تھے - ۶۳۸ عطیہ کے طور پر گئے تیس ایکڑ میں باغات ہیں ۳۲۸ ایکڑ حکومت نے لے لئے - باقی ۱۱۸۴ ایکڑ -

سید رفیق محمد شاہ (بہاولنگر) : کل رقبہ ۳۹۳۹ ایکڑ عطیہ ۵۳۶ ایکڑ - ضبط ۲۰۶۸ ایکڑ - بقایا ۱۵۳۵ ایکڑ -

غازی محمد خان : رحیم یار خان میں ان کے پاس ۵۰۵۲ ایکڑ تھے - ۳۹۷۸ ایکڑ حکومت نے لے لئے - ۱۰۷۴ ایکڑ پر قابض ہیں -

وزیر احمد : یہ بھی رحیم یار خان کے زمیندار ہیں - ۲۴۳۱ ایکڑ زمین میں سے ۵۹۷ ایکڑ عطیہ کے گئے - ۹۵۷ ایکڑ پر حکومت نے قبضہ کر لیا - ۸۷۷ ایکڑ رہ گئے ہیں .

غازی احمد خان : کل رقبہ ۵،۱۳۵ ایکڑ - ۴۰٦۱ ضبط ۱۰۷۴ موجود -

سید اقبال محمود : کل رقبہ ۱٦٦۰ ایکڑ - ۳۹۲ ایکڑ عطیہ - ۷۸۱ ایکڑ ضبط - ۴۸۷ ایکڑ موجود -

صوبہ سندھ

اب سندھ کے چند مالکان اراضی ملاحظہ فرمائیے :

محمد خان : مجموعی رقبہ ۱۸۴۲ ایکڑ - عطیہ ۹۴۴ ایکڑ ضبط ۴۹۴ ایکڑ موجود ۸۹۸ ایکڑ -

فصل علی شاہ : مجموعی رقبہ ۳۸۵۲ ایکڑ عطیہ ٦۰۰ ایکڑ - ضبط ۱۴۵۷ ایکڑ - موجود ۱۷۹۵ ایکڑ -

آر - ایس - روپ چند : مجموعی رقبہ ۱۱۵۱۳ ایکڑ عطیہ ۱۴۰۳ ایکڑ ضبط ۱۲۵۱ ایکڑ موجود ۸۵۹ -

محمد حسین شاہ : مجموعی رقبہ ۱۴۰۵ ایکڑ عطیہ ۳۴٦ ایکڑ ضبط ۱۱۷ ایکڑ موجود ۸۷۲ ایکڑ -

محمد صالح : مجموعی رقبہ ۱۹۴۹ ایکڑ عطیہ ٦۷۴ ایکڑ ضبط ۸۷۳ ایکڑ موجود ٦۰۹ ایکڑ -

خوب چند (سانگڑ) : مجموعی رقبہ ۱۳۵۳ ایکڑ ضبط ۴۳۱ ایکڑ باقی ۹۲۳ ایکڑ -

حاجی انور علی خان : کل رقبہ ۳۲۸۸ ایکڑ عطیہ ۵۲۹ ایکڑ ضبط ۱۷۰۰ ایکڑ موجود ۱۰۵۹ ایکڑ -

غلام حیدر خان : کل رقبہ ۱۲۱۸ ایکڑ ضبط ۲۰۴ ایکڑ باقی ۱۰۱۴ ایکڑ۔

جان محمد وسن : کل رقبہ ۳۱۸۶ ایکڑ عطیہ ۴۶۸ ایکڑ ضبط ۱۶۶۹ ایکڑ موجود ۱۰۴۹ ایکڑ۔

غلام محمد : کل رقبہ ۳۲۷۸ ایکڑ ضبط ۲۱۷۸ ایکڑ موجود ۱۰۸۷ ایکڑ۔

پیر غلام رسول و پیر عبدالستار (فیملی) : مجموعی رقبہ ۲۶۱۰ ایکڑ۔ عطیہ ۴۸۷ ایکڑ ضبط ۹۷۶ ایکڑ باقی ۹۲۶ ایکڑ

چیت رام : مجموعی رقبہ ۳۵۸۸ ایکڑ عطیہ ۴۸۹ ایکڑ۔ ضبط ۲۱۴۷ ایکڑ۔ باقی ۹۵۵ ایکڑ۔

میر حاجی غلام محمد : کل رقبہ ۸۳۲۵ ایکڑ عطیہ۔ ۴۸ ایکڑ۔ ضبط ۶۸۹۷ ایکڑ باقی ۹۴۷ ایکڑ۔

ہری چند رائے : کل رقبہ ۵۱۳۸ ایکڑ عطیہ ۴۸۰ ایکڑ ضبط ۳۶۸۵ موجود ۹۷۳ ایکڑ۔

نواب میراللہ داد خان (تالپور) : کل رقبہ ۲۹۴۶ ایکڑ عطیہ ۴۶۱ ایکڑ ضبط ۱۵۵۴ ایکڑ۔ باقی ۹۳۱ ایکڑ۔

ملک شاندار خان : کل رقبہ ۲۰۶۵۱ ایکڑ عطیہ ۱۴۰۲ ایکڑ ضبط ۱۵۰۶۹ ایکڑ موجود ۴۱۸۰ ایکڑ۔

سیٹھ بندومل : کل رقبہ ۲۳۵۴ ایکڑ عطیہ ۶۳۲ ایکڑ ضبط ۵۲۰ ایکڑ موجود ۱۲۰۰ ایکڑ۔

سلطانہ بیگم : کل رقبہ ۱۷۱ ایکڑ - ضبط ۳۱۲ ایکڑ موجود ۴۵۹ ایکڑ -

سردار محمد حسن سومرو : کل رقبہ ۳۱۴۰ ایکڑ - عطیہ ۶۱۶ ضبط ایکڑ ضبط ۱۶۶ ایکڑ باقی ۲۴۵۹ ایکڑ -

خان بہادر فضل محمد خان لغاری (ٹھٹھہ) کل رقبہ ۲۹۴۹ ایکڑ عطیہ ۱۰۵۶ ایکڑ ضبط ۳۴۳ ایکڑ- پاس ۱۴۵۰ ایکڑ -

ہزہائی نس میر مراد خان تالپور : مجموعی رقبہ ۱۰۲۰۰ ایکڑ عطیہ ۳۰۹ ایکڑ ضبط ۸۹۹۹ ایکڑ پاس ۹۰۰ ایکڑ بشمول ۱۴۹ ایکڑ (باغات) -

سید حسن بخش شاہ : کل رقبہ ۱۵۹۵ ایکڑ عطیہ ۳۹۲ ایکڑ ضبط ۵۱۳ ایکڑ پاس ۶۹۰ ایکڑ -

رسول بخش (اور فیملی) : کل رقبہ ۲۳۲۲ ایکڑ عطیہ ۶۴ ایکڑ ضبط ۱۲۴۹ ایکڑ پاس ۱۰۰۹ ایکڑ -

سردار نور محمد خان (باجہ رانی فیملی) : کل رقبہ ۶۳۹۵ ایکڑ ضبط ۵۱۹۵ ایکڑ موجود ۱۲۰۰ ایکڑ -

خادم حسین شاہ (سکھر) : کل رقبہ ۳۶۷۸۹ ایکڑ ضبط ۳۳۴۸۶ ایکڑ موجود ۱۳۰۳ ایکڑ -

شیخ محمد نواز (لاڑکانہ) کل رقبہ ۲۰۸۷ ایکڑ عطیہ ۵۲۷ ایکڑ ضبط ۹۸۴ ایکڑ موجود ۱۰۵۹ ایکڑ -

عنایت اللہ خان (اسو فیملی) : کل رقبہ ۱۴۵۴ ایکڑ ضبط

۳۹۵ ایکڑ موجود ۱۰۵۹ ایکڑ۔

میر گداعلی خان (بھائیو فیملی) : مجموعی رقبہ ۳۱۶۲ ایکڑ عطیہ ۷۰۱ ایکڑ ضبط ۱۴۰۳ ایکڑ باقی ۱۰۵۸ ایکڑ۔

عبدالقادر (کھوسو فیملی) : مجموعی رقبہ ۲۷۳۲ ایکڑ عطیہ ۷۰۷ ایکڑ ضبط ۷۷۰ ایکڑ باقی ۱۲۵۷ ایکڑ۔

چاہ رام : مجموعی رقبہ ۱۰۰۴ ایکڑ عطیہ ۷۸۵ ایکڑ ضبط ۱۶۸۳ ایکڑ۔ باقی ۱۶۳۲ ایکڑ۔

باب ۵

غائب باش - نئے اور پرانے

میاں ممتاز دولتانہ اور ایوب خان کی زرعی اصلاحات کا مقصد یہ بیان کیا گیا تھا کہ بڑی زمینداریوں کو ختم کر کے ملکیت چھوٹے کاشتکاروں اور مزارعین کے حوالے کر دی جائے گی - لیکن عملی طور پر یہ اصلاحات بڑی زمینداریوں کے تحفظ کا ایک مضبوط ذریعہ بن گئیں اور کاشتکاروں کے حصے بہت کم رقبہ آیا - زرعی اصلاحات کی جو تفصیلات مغربی پاکستان کی صوبائی اسمبلی کے بجٹ سیشن ۱۹۶۸ء میں پیش کی گئیں - ان سے ظاہر ہے کہ ان اصلاحات کے تحت ۲۲ لاکھ ۹ ہزار ۴۶۴ ایکڑ رقبہ بڑے زمینداروں سے قیمت ادا کر کے حاصل کیا گیا اس میں سے صرف ۳۷،۲۷۴ ایکڑ مزارعین اور کاشتکاروں کو دیا گیا باقی ۵ لاکھ ۳۵ ہزار ۶۰۶ ایکڑ کھلے بازار میں

فروخت کر دیئے گئے ایک لاکھ ۸۴ ہزار ۳۲۴ ایکڑ نیلام کئے گئے - ۲ لاکھ ۳۵ ہزار ۲۱۴ ایکڑ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اسے بہتر بنایا جا رہا ہے - ۳ لاکھ ۳۵ ہزار ۵۸۷ ایکڑ زرعی محکمہ کی تحویل میں دے دیئے گئے - تاہم اب بھی ۸ لاکھ ٦١ ہزار ۲۱۳ ایکڑ ایسے موجود ہیں جس کے متعلق تا حال کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا -

ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ زرعی اصلاحات کے تحت جو رقبہ زمینداروں سے قیمتاً خریدا گیا تھا وہ پھر بڑے بڑے زمینداروں اور سرکاری افسروں میں تقسیم کر دیا گیا ہے - چنانچہ سابق وزیر زراعت ملک خدا بخش بچہ نے ۱۵ فروری ۱۹٦۹ء کو صوبائی اسمبلی میں ان لوگوں کے ناموں کا انکشاف بھی کیا تھا - اُنہوں نے بتایا کہ کم سے کم دو لاکھ ایکڑ رقبہ ایسا ہے جو ٦٦ افراد کو بلا کرایہ پٹہ پر دے دیا گیا ہے ان کی فہرست درج ذیل ہے :

۱ - سلطان احمد چانڈیو ۱,۲۳,۳۸۱ ایکڑ

۲ - امیر بہاول پور ۲۰,۰۰۰ ایکڑ

۳ - ملک امیر محمد خان آف میانوالی اور اُن کے چار صاحبزادے - ۱۸,٦۱۹ ایکڑ

۴ - ملک خضر حیات خان ٹوانہ ۵,۰۰۰ ایکڑ

۵ - میر صاحب خیرپور ۵,۲۳۹ ایکڑ

۶ - حاجی غلام رسول جتوئی مرحوم ۳,۷۸۷ ایکڑ

۷ - ایس غلام محمد خان مہار اور ایس علی گوہر خان ۴,۰۶۱ ایکڑ

۸ - نواب سر محمد فرید ۱,۸۱۸ ایکڑ

۹ - ایس گل حسن شاہ لواری شریف ۳,۱۲۴ ایکڑ

۱۰ - کرنل سید عابد حسین ۱,۰۷۵ ایکڑ

۱۱ - ایس غلام محمد شاہ اور ایس ظاہر علی شاہ ۱,۰۷۵ ایکڑ

۱۲ - پیر صاحب رانی پور ۳۶۴ ایکڑ

۱۳ - ذوالفقار علی بھٹو ۱۷۸ ایکڑ

۱۴ - میاں جمال شاہ ۵۰۰ ایکڑ

۱۵ - میاں غلام محمد ننگیانہ ۴۷ ایکڑ

۱۶ - نواب محمد مہر شاہ ۹۳۶ ایکڑ

۱۷ - کرنل محمد علی نون ۱,۴۸۲ ایکڑ

۱۸ - میاں محمد سعید قریشی ۱۵۰۰ ایکڑ

۱۹ - کرنل جے وی سی کنگھم ۲,۹۴۸ ایکڑ

۲۰ - منیجر آرمی سٹڈ فارم ۱۲,۵۱۹ ایکڑ

۲۱ - جے وائی ایل ٹیلر ۳,۷۲۳

۲۲ - محمد امین خان ۵۰۰ ایکڑ

۲۳ - غلام جیلانی خان ۵۰۰ ایکڑ

۲۴ - سید محمدالدین لال بادشاہ ۱۰۰ ایکڑ

۲۵ - بریگیڈیئر ملک گلشیر خان نون ۳,۱۷۱ ایکڑ
۲۶ - غلام محی الدین ۵۰۰ ایکڑ
۲۷ - میجر جنرل جاںدار ۵۲۷ ایکڑ
۲۸ - ملک فضل الٰہی ٹوانہ ۴۲۹ ایکڑ
۲۹ - لفٹیننٹ کرنل محمد عطااللہ سنبل ۲۵۰ ایکڑ
۳۰ - خان بہادر سردار دوست محمد خان ۴,۱۹۰ ایکڑ
۳۱ - چوہدری ظفراللہ خان ۴,۰۵۶ ایکڑ
۳۲ - سید محمد عباس شیر گڑہی ۴۲۲ ایکڑ
۳۳ - نواب میجر سر محمد فرید خان ۱۲۱ ایکڑ
۳۴ - سردار محمد نواز خان ۱۴ ایکڑ
۳۵ - چوہدری اصغر علی خان ۲۹ ایکڑ
۳۶ - نواب سجاد علی خان ۲۳ ایکڑ
۳۷ - ملک خضر حیات خان ٹوانہ ۲۴ ایکڑ
۳۸ - ملک شیر احمد خان ۶۹ ایکڑ
۳۹ - چوہدری خدا بخش ۳۳ ایکڑ
۴۰ - ملک فیروز خاں نون ۱۲۱ ایکڑ
۴۱ - ملک خضر حیات خان ٹوانہ ۱۳۵ ایکڑ
۴۲ - ملک حبیب اللہ خان ۱۲ ایکڑ
۴۳ - مسٹر وزیر آغا ۸۸ ایکڑ
۴۴ - مہر غلام دستگیر ۱۳ ایکڑ

۴۵ - میاں خان محمد ۵۴ ایکڑ

۴۶ - سعید محمد شاہ ۱۱ ایکڑ

۴۷ - محمد حیات خان ۲۷ ایکڑ

۴۸ - نوازش علی خان ۲۵ ایکڑ

۴۹ - مسمات خورشید بیگم عرف نسیم بی بی ۱۹ ایکڑ

۵۰ - سردار غلام محمد ۱۲ ایکڑ

۵۱ - سید محمد وارث ۱۱ ایکڑ

۵۲ - سید مبارک علی شاہ ۸۲ ایکڑ

۵۳ - ملک محمد نواز خان ۱۰ ایکڑ

۵۴ - نوابزدہ ملک امیر محمد خان آف کالا باغ ۱۲۰ ایکڑ

۵۵ - میاں خدا یار خان ۶۷ ایکڑ

۶۵ - میر بخش شیر خان ۳۶ ,,

۵۷ - سردار شیر جان خان ۳۶ ایکڑ

۵۸ - سردار شیر باز خان ۳۶ ,,

۵۹ - صوفی عطا محمد ۲۸ ایکڑ

۶۰ - ایس محمد نواز شاہ ۲۳ ایکڑ

۶۱ - پیر معراج الدین ۷۴ ایکڑ

۶۲ - ایس محمد نصیر الدین ۲۷ ایکڑ

۶۳ - ایس محمد نذر حسین شاہ ۸۴ ایکڑ

۶۴ - خواجہ محمود خان ۱۳۷ ,,

۶۵ - دیوان ایس غلام عباس شاہ ۴۰ ایکڑ

۶۶ - ایم ممتاز محمد خان دولتانہ ۲۸ ایکڑ

۶۷ - ایم مشتاق محمد خان ۶۱ ایکڑ

۶۸ - میجر شمس الدین ۳۰ ایکڑ

۶۹ - میاں غیاث الدین ۶۶ ایکڑ

۷۰ - ہزہائی نس میر علی مراد خان تالپور ۶۴ ایکڑ

۷۱ - نثار احمد ۲۲ ایکڑ

۷۲ - میر اللہ بخش بجھائیو ۳۵ ایکڑ

۷۳ - شریمتی بھگوتی ۶۲ ایکڑ

۷۴ - سر راجیر ٹومو ۳۷ ایکڑ

۷۵ - حاجی علی حسن ماڑی ۴۵ ایکڑ

۷۶ - اخوند حاجی عبداللطیف ۱۳ ایکڑ

۷۷ - آر ایس روپ چند سیومل ۱۵ ایکڑ

۷۸ - حاجی محمد صالح ڈاھیون ۱۹ ،،

۷۹ - میر غلام ۱۲ ایکڑ

۸۰ - سید محمد حسن ۱۱۰ ایکڑ

۸۱ - حاجی دریا خان ۱۹ ایکڑ

۸۲ - حاجی قلندر بخش ۱۴ ایکڑ

۸۳ - مسماۃ بادشاہ زادی ۶۵ ایکڑ

نوٹ : ان میں سے بعض لوگوں کو دو دو تین تین

مختلف مقامات پر زمین دی گئی ہے اس لئے ان کے نام بھی دو دو تین تین مرتبہ آتے ہیں۔ اصل تعداد ۶۶ ہی ہے۔

ملک خدا بخش بچہ (سابق وزیر زراعت) کے بقول یہ زمین ان حضرات کو زرعی اصلاحات کے قانون ۹ (ڈی) کے تحت بھیڑ بکریاں پالنے، گھوڑے رکھنے، باغات اور شکار گاہیں بنانے کے لئے عطا کی گئی۔ جب ایک رکن اسمبلی مسٹر حمزہ نے پوچھا کہ آیا ان لوگوں سے پٹہ کی رقم وصول کی جائے گی تو وزیر موصوف نے نفی میں جواب دیا اس پر مسٹر حمزہ نے پوچھا کہ امیر بہاولپور کو بیس ہزار ایکڑ کس خوشی میں دیئے گئے؟ وزیر موصوف نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا "یہ صحرائی علاقہ ہے جیسے چولستان۔" مسٹر حمزہ نے دریافت کیا "ملک خضر حیات ٹوانہ اور مسٹر سلطان احمد چانڈیو کو اتنی زمین کیوں دی گئی"؟ وزیر نے جواب دیا۔ "بھیڑ بکریاں پالنے اور مویشی فارم قائم کرنے کے لئے۔"

واقعہ یہ ہے کہ بڑے زمینداروں کو مویشی پال فارم کھولنے اور باغات لگانے کے لئے کھلی اور با موقع زمین ہی نہیں دی گئی بیراجوں کی زرخیز زمین بھی کوڑیوں کے بھاؤ دے دی گئی ہے۔

چنانچہ غلام محمد بیراج کی ۲۸ لاکھ ۶ ہزار ۲۱۰ ایکڑ زمین سے صرف ۳ لاکھ ۷۸ ہزار ۶۶۲ ایکڑ ہاریوں اور چھوٹے

کاشتکاروں کے حصے آئے۔ باقی سب فوجیوں اور سرکاری افسروں میں بانٹ دی گئی ہے۔ اسی طرح گدو بیراج کے ۳۷ لاکھ ۵۳ ہزار ۱۷۰۰ ایکڑ رقبہ میں سے ہاریوں اور چھوٹے کاشتکاروں کو ۹۵ ہزار ۸۶۷ ایکڑ سے زیادہ نہیں مل سکے۔

ایک اندازہ کے مطابق بیراجوں کے ذریعہ سے کم و بیش ۸۱ لاکھ ایکڑ ''نہری رقبہ'' میں تبدیل ہوئے ہیں۔ ان میں سے صرف چار لاکھ چوہتر ہزار ایکڑ چھوٹے کاشتکاروں اور مزارعوں کو دیئے گئے ہیں۔ (صوبائی اسمبلی بجٹ سیشن ۱۹۶۷ء۔)

جن سرکاری افسروں کو یہ زرخیز اور نہری رقبہ دیگر ''دیہہ خداؤں'' میں ''تازہ خداؤں'' کا اضافہ کیا گیا ہے آن میں سے بعض کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

سابق وزیر اور گورنر

۱۔ ملک خدا بخش بچہ وزیر زراعت	۱۵۸ ایکڑ
۲۔ خان غلام سرور خان وزیر مال	۲۴۰ ''
۳۔ خان حبیب اللہ خاں وزیر داخلہ	۲۴۰ ''
۴۔ مسٹر ایم این عقیلی وزیر خزانہ	۲۴۹ ''
۵۔ بیگم این ایم عقیلی	۳۵۱ ''
۶۔ مسٹر اختر حسین گورنر مغربی پاکستان	۱۵۰ ''

جج سپریم و ھائی کورٹ

۱۔ جسٹس محمد منیر	۱۵۰ ''

۲ - جسٹس ایس اے رحمان	۱۵۰	ایکڑ
۳ - جسٹس عبدالعزیز	۱۵۰	،،
۴ - جسٹس انعام اللہ خاں	۲۴۰	،،
۵ - جسٹس محمد داؤد خاں	۲۴۰	،،
۶ - جسٹس فیض اللہ خاں	۲۴۰	،،

سرکاری افسر

۱ - ایم ایم احمد اکونامک ایڈوائزر	۱۵۰	،،
۲ - سید حسن ڈپٹی چیئرمین پلاننگ	۱۵۰	،،
۳ - ملک عطا محمد نون ڈی آئی جی پولیس	۱۵۰	،،
۴ - جنرل کے ایم شیخ	۱۵۰	،،
۵ - مسٹر نوراللہ ریلوے انجینئر	۱۵۰	،،
۶ - این اے قریشی چیئرمین ریلوے بورڈ	۱۵۰	،،
۷ - امیر محمد خاں سیکرٹری محکمہ صحت	۲۳۸	،،
۸ - ایس ایم شریف سیکرٹری تعلیم	۲۳۹	،،
۹ - خان نجف خاں ڈی آئی جی پولیس	۲۴۰	،،
۱۰ - میجر جنرل اکبر خاں	۲۴۰	،،
۱۱ - بریگیڈیئر ایف آر کلو		
(ڈپٹی ڈائریکٹر خوراک)	۲۴۰	،،
۱۲ - عبدالرشید خاں کمشنر	۲۴۰	،،
۱۳ - مسٹر محمد علی وائس چانسلر		

پشاور یونیورسٹی ۱۰۰ ایکڑ

۱۴ - ایم ڈبلیو عباسی چیف سیکرٹری ۲۴۷ ,,

ان ناموں کا انکشاف بھی صوبائی اسمبلی کے اجلاس مورخہ ۱۳ جون ۱۹۶۷ء میں کیا گیا تھا - اس کے علاوہ لاہور کے سرحدی علاقوں میں ریٹائرڈ فوجیوں کو وسیع قطعات اراضی (دس سے ساٹھ مربع تک) الاٹ کر دیئے گئے تھے جنکی اصلاح اور درستی کے لئے سرکاری خزانہ سے بے دریغ روپیہ خرچ کیا گیا -

اس سے صاف ظاہر ہے کہ زرعی اصلاحات نے ملک میں دو طبقے پیدا کر دیئے ہیں - ایک طبقہ بڑے بڑے عہدوں پر قابض ہونے کے باعث با اختیار ہے - اس لئے جب بھی آبپاشی کا انتظام ہوتا ہے تو بڑے بڑے قطعات پر قبضہ جما لیتا ہے - دوسرا طبقہ چھوٹے کاشتکاروں اور بے زمین مزارعین کا ہے جو اپنے آپ کو بڑے زمینداروں اور حکومت کے افسروں کے سامنے بے بس پاتا ہے - بیراج کی زمین پر سب سے زیادہ سرمایہ غریب کسانوں کا لگا ہے اس کے باوجود اراضی کی غلط منصوبہ بندی کے باعث یہ زمین غلہ پیدا کرنے کی بجائے شور اگل رہی ہے - چنانچہ راقم الحروف کے اندازے کے مطابق صرف غلام محمد بیراج کی ترقی پر زرعی ترقیاتی کارپوریشن ۸۵ کروڑ روپے سے بھی زائد رقم خرچ کر چکی ہے اس کے باوجود

لاکھوں ایکڑ زمین میں سے صرف چند ہزار ایکڑ اراضی پر کاشت کی جا رہی ہے جس سے اتنا غلہ بھی پیدا نہیں ہوتا جو وہاں کی آبادی کی غذائی ضروریات پوری کر سکے۔ پھر محنت و مشقت تو کاشتکار کرتے ہیں لیکن فصل آ کر غائب مالکان اراضی اور سرکاری افسر اٹھا کر لے جاتے ہیں جن کو یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ فصل ربیع اور فصل خریف میں کیا فرق ہوتا ہے۔

باب ٦

شاہ پور کے ٹوانے

سابقہ ابواب سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ پاکستان کے دیہہ خداؤں کو چار طائفوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱ - خاندانی جاگیردار ، وڈیرے اور زمیندار جن کے پاس اب بھی باغوں ، شکارگاہوں اور مویشی پال فارموں کے علاوہ وسیع قطعات اراضی موجود ہیں۔

۲ - سرکاری افسر ، جج اور فوجی جن کو ۱۹۵۸ء کے بعد ملک کی منتخب اور زرخیز ترین زمین عطا کی گئی۔

۳ - سمگلر جنہوں نے اپنی ناجائز دولت پر پردہ ڈالنے کے لئے زمین خرید لی۔

۴ - ۲۲ خانوادوں کے افراد جنہوں نے صنعتی اور تجارتی اجارہ داری قائم کرنے کے علاوہ کاشتکاری سے بھی اپنے

مفاد وابستہ کر لئے -

ان میں سے پہلا طائفہ بڑا سخت جان ہے وہ چونکہ یا تو خود برسر اقتدار ہوتا ہے یا حکومت وقت کا سب سے بڑا موید اور مددگار کہلاتا ہے اس لئے کوئی بھی حکومت اسے ختم نہیں کر سکی - اس طائفہ میں دو قسم کے افراد شامل ہیں ایک وہ جن کے آباؤ اجداد نے غداری کی اور ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں انگریز کو اس ملک میں اپنے پاؤں جمانے کے لئے بڑھ چڑھ کر امداد بہم پہنچائی دوسرے وہ جنہوں نے مغلیہ دور کے خاتمہ پر طوائف الملوکی اور سیاسی بے چینی سے فائدہ اُٹھایا اور بڑے بڑے قطعات اراضی پر قابض ہو کر انگریز سے اپنے حقوق ملکیت منوا لئے اس میں شبہ نہیں کہ دونوں طائفوں کی اولاد نے پہلے برصغیر اور بعد میں پاکستان کے مسلمانوں کی بڑی خدمت کی ہے اور اسے قوم فروش یا غدار کہنا کسی طرح بھی درست نہیں تاہم اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پاکستان کی اراضی پر اس طائفہ کے بیشتر افراد (جیسا کہ مسلم لیگ زرعی کمیٹی نے ۱۹۴۸ء میں لکھا تھا) - اپنا حق ملکیت ۱۸۵۷ء سے پہلے ثابت نہیں کر سکتے - بایں ہمہ یہ خیال رہے کہ جن افراد کو جارج پنجم کے شاہی دربار دہلی میں کرسی ملی یا جن کو انعام و اکرام اور جاگیروں اور خطابوں سے سرفراز کیا گیا اُن میں سے اکثر کی اولاد کو

پاکستان میں کچھ بھی نہیں مل سکا ۔ کیونکہ ''جاگیروں،، اور ''معافیوں،، پر تو مسلم لیگی وزارتوں نے پہلے ہی خط تنسیخ کھینچ دیا تھا اور متروکہ اراضی بھی سب کو الاٹ نہیں ہو سکی ۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزی دور کے جو نواب اور خطاب یافتہ افراد لٹ پٹ کر پاکستان میں آئے ان کی حقیقت عام شہریوں سے بہتر نہیں اور ان میں سے بعض کرایہ کے مکانوں میں رہتے اور معمولی ملازمتوں سے اپنا پیٹ پالتے ہیں ۔

پاکستان کے دیہہ خداؤں کا سب سے بڑا جھرمٹ غالباً شاہ پور (سرگودہا ڈویژن) میں ہے یہاں مٹھا ٹوانہ کا ایک علاقہ ہے جس میں ٹوانے ، گھیبے ، سیال ، نون ، اعوان ، چھل اور کرار سب آباد ہیں ۔ مٹھا ٹوانہ کی بنیاد ۱۶۸۰ء میں میر احمد خاں نے رکھی جو ایک ہندو راجپوت رائے شنکر کی اولاد میں سے تھا ۔ یہ لوگ مسلمان ہونے کے بعد دریائے سندھ کے کنارے جہانگیر کے مقام پر آکر آباد ہوگئے تھے ۔ قریب ہی ڈنڈا کے علاقہ میں ایک جگہ میٹھا پانی دریافت ہوا تو میر احمد خاں نے وہیں آکر ڈیرے ڈال دیئے ۔ رفتہ رفتہ یہ گاؤں بہت پھیل گیا اور اس میں کئی قبیلوں نے (جو در اصل ایک دوسرے کی شاخ ہیں) رہائش اختیار کر لی ۔ مٹھا ٹوانہ کے شمال میں پانچ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہڈیالی ہے وہاں اعوان قبیلہ رہتا تھا ۔ میر احمد خاں نے اس کے بے شمار افراد

کو موت کے گھاٹ آتار کر ارد گرد کے علاقہ میں اپنی سرداری قائم کر لی حتیٰ کہ اس کی اولاد میں سے ایک شخص شیر خاں "ملک" بھی کہلانے لگا اس نے اپنے بھائی عالم شیر خاں سے مل کر نہ صرف اپنے چچا کو قتل کیا بلکہ ایک جھڑپ میں باپ کو بھی مار ڈالا ۔ اس کے بعد ارگرد گرد کی پہاڑیوں میں آباد اعوانوں کا "شکار" کھیل کر پورے علاقہ پر قبضہ کر لیا ۔ کہتے ہیں کہ عالم شیر خاں اکثر صبح سویرے اپنی بندوق لے کر آس پاس کے ٹیلوں پر چڑھ جاتا اور جہاں کہیں کوئی اعوان نظر آتا پہلے اس کا شکار کھیلتا پھر واپس آ کر ناشتہ کرتا ۔ جب شیر خاں نے طاقت پکڑ لی تو اس نے ڈیرہ اسماعیل خاں کے گورنروں کو خراج دینا بھی بند کر دیا ۔

۱۷۴۵ء میں شیر خاں نے نور پور ٹوانہ کی بنیاد رکھی اور تھوڑے ہی عرصہ میں جھنگ کے سیالوں کو مار بھگایا اس کی موت کے بعد اس کے دونوں بیٹے آپس میں اقتدار کی کش مکش میں مصروف رہے ۔ اس کے علاوہ ہمسایوں سے بھی جنگ جاری رہی ۔

۱۸۱۷ء میں مہارجہ رنجیت سنگھ نے نور پور کے ٹوانوں پر چڑھائی کی اور اس علاقہ کو فتح کر کے جسونت سنگھ موکل کی فوجی نگرانی میں دے دیا ۔ تا ہم اس وقت کے ملک

احمد یار خاں نے اپنا علاقہ پھر واپس لے لیا ۔ لیکن اُسے منکیرا کے نواب نے ٹکنے نہ دیا اور اُس کے بیٹوں کو قید کر لیا ۔ اس پر ملک احمد یار خاں نے مہاراجہ رنجیت سنگھ سے پناہ طلب کی ۔ اُس نے اُسے جھاوڑیاں کی جاگیر عطا کر دی اور ساٹھ سوار بھی دیئے ۔ ۱۸۲۱ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے منکیرا کے نواب پر فوج کشی کی جس میں ملک ٹوانہ نے اُس کی پوری مدد کی ۔ مہاراجہ نے خوش ہو کر ٹوانوں کا ایک رسالہ اپنی فوج میں شامل کر لیا ۔ اس رسالہ کے ٹوانہ سردار نے مہاراجہ کی بڑی خدمت کی جس کے صلہ میں اُسے نہ صرف جاگیر ملی بلکہ ''چابک سوار'' کا عہدہ بھی پایا ۔ ۱۸۳۸ء میں راجہ دہیان سنگھ نے فتح خاں ٹوانہ کو نہ صرف مٹھا ٹوانہ کا منیجر مقرر کر دیا بلکہ وڑچہ اور چوآ نام نمک کی کانیں بھی اُس کے سپرد کر دیں ۔ تاہم فتح ٹوانہ کا حقیقی عروج راجہ نونہال سنگھ کے زمانے سے شروع ہوتا ہے ۔ اُس نے فتح خاں کے رشتہ داروں کو میانوالا ، شیخووال اور نور پور ٹوانہ کا ''کاردار'' مقرر کر دیا ۔ اور خود فتح خاں کو مختلف زمینداروں سے مالیہ وصول کرنے پر لگا دیا ۔ تاہم وہ سکھ سرداروں کو آپس میں لڑانے کی سازشیں بھی کرتا رہا ۔ اخیر اُسے جان بچانے کے لئے دریائے سندھ کے پار بھاگنا پڑا ۔ اس کی عدم موجودگی میں سکھوں نے مٹھا ٹوانہ کو خوب خوب

لوٹا ۔ آخر جب جواہر سنگھ نے زور پکڑا تو فتح خاں واپس آیا اور اپنے سکھ محسن سے انعام و اکرام پانے کے علاوہ مٹھا ٹوانہ کی گورنری بھی لے لی اور اس طرح جہلم ، راولپنڈی ، ڈیرہ غازی خاں اور بنوں وغیرہ کے علاقوں کا بہت سا حصہ اُس کے زیر اقتدار آ گیا ۔ جواہر سنگھ نے اُس کی قیمت یہ وصول کی کہ فتح خاں کو اپنے دشمن پشورا سنگھ کے پیچھے لگا دیا ۔ پشورا سنگھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ایک بیٹا تھا اور اُس نے مسلمان سرداروں کو ساتھ ملا کر قلعہ اٹک پر قبضہ کر رکھا تھا ۔ فتح خاں نے نہ صرف قلعہ فتح کر لیا بلکہ پشورا سنگھ کو موت کے گھاٹ اُتار کر اُس کی لاش دریائے اٹک میں بہا دی ۔ ''چیفس آف دی پنجاب،، کے مصنف نے لکھا ہے کہ تاریخ پنجاب میں اس سے زیادہ درد ناک قتل کوئی نہیں ہوا ۔

فتح خاں ٹوانہ اسی مار دھاڑ میں مصروف تھا کہ انگریز پہنچ گئے ۔ اُنہوں نے فتح خاں کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کرنے کا فیصلہ کیا ۔ چنانچہ ۱۸۴۸ء میں اُسے بنوں کا گورنر بنا کر بھیج دیا گیا ۔ یہاں اُس نے قبائلی سرداروں کو ساتھ ملا کر سکھوں کا مقابلہ کرنا چاہا ۔ لیکن اُسے قلعہ کے دروازے پر گولی مار دی گئی ۔

گجرات میں سکھوں کو شکست دینے کے بعد جب پورا

پنجاب انگریز کے قبضہ میں آیا تو اس نے ملک فتح خاں کی جاگیر اور زمینوں کو اس کے بیٹے اور بھتیجے میں تقسیم کر دیا ۔ فتح خاں کا لڑکا فتح شیر خاں چونکہ میجر ایڈورڈس کی خدمت میں بھی رہا ۔ اس لئے حکومت نے ٹوانوں کو جاگیروں اور معاوضوں سے مالا مال کر دیا ۔ تاہم اس قبیلہ کے ملک فتح شیر خاں اور ملک شیر محمد خاں کی دشمنی بدستور قائم رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ خاندان کئی شاخوں میں بٹ کر رہ گیا ۔

ملک فتح شیر خاں نے انگریز کی سب سے نمایاں خدمات جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے سلسلہ میں سرانجام دیں ۔ چنانچہ آپ نہ صرف خان بہادر کا خطاب دیا گیا بلکہ پنشن اور جاگیر بھی عطا ہوئی ۔

ملک فتح شیر خاں کے بعد اس کے بیٹے محمد شیر خاں کو ایچی سن کالج لاہور میں تعلیم دی گئی ۔ جنگ آزادی کے زمانہ میں ٹوانہ ملکوں نے نہ صرف تین سو سواروں کی ایک فوج انگریز کے حوالے کی بلکہ خود بھی کئی مہمات میں گورا فوج کے ساتھ مل کر حریت پسندوں کے خون سے ہولی کھیلتے رہے ۔ اس کے عوض ان کو جو کچھ ملا اسی کی بدولت وہ پنجاب کے امیر ترین زمیندار بن گئے ۔ ملک شیر محمد کو جاگیروں اور پنشنوں کے علاوہ تیس ہزار ایکڑ زمین خوشاب

میں اور پندرہ سو ایکڑ زمین جہلم میں دی گئی ۔ ملک شیر محمد خان کے چچا ملک صاحب خان نے بھی جنگ آزادی میں تین سو گھوڑا سوار دیئے اور کوپر کے زیر کمان جہلم ، انبالہ اور کانپور کی مختلف لڑائیوں میں حریت پسندوں کا خون بہایا ۔

ملک صاحب خان نے بھی انگریز سے خان بہادر اور سی ایس آئی کے خطابات اور پنشن کے علاوہ جاگیر اور وسیع قطعات اراضی پائے ۔ اس کی زمین کی آبپاشی کے لئے دریائے جہلم سے خاص طور پر ایک نہر نکالی گئی ۔

اس کا بیٹا عمر حیات خان تھا جو ملکی اور غیر ملکی مہمات میں انگریز جرنیلوں کا ہمسفر رہا اور پنجاب لیجسلیٹو کونسل کا ممبر بھی مقرر ہوا ۔ اسے بھی سی ۔ آئی ۔ ای کا خطاب ملا ۔

اسی طرح ملک صاحب خان کے بھائی ملک جہان خان نے بھی انگریز کی خدمات کا پورا معاوضہ وصول کیا ۔ وہ ساٹھ سوار لے کر ایڈورڈس کی فوج میں شامل ہو گیا اور اس نے ملتان اور سی پی کی جنگوں میں انگریز کا پورا پورا ساتھ دیا اسے بھی پنشن ملی اور اس کے بیٹے ملک محمد خان کو قیمتی زمین پٹہ پر دی گئی ۔ ملک صاحب خان کے بھائی ملک فتح خان پر بھی انگریزی نوازشوں کی بارش ہوتی رہی ۔ اس نے چھچھراں

اور چنیوٹ کے علاوہ جنگ آزادی میں جہلم ، اجنالہ اور فیروز شاہ میں حریت پسندوں پر ظلم ڈہائے ۔ اس کے عوض اُسے ڈیڑھ سو ایکڑ زمین معافی ملی ۔ ملک فتح خاں کا بیٹا ملک مظفر خاں تھا جو درباری ہونے کے علاوہ ایک ہزار ایکڑ کا مالک تھا ۔

غرض مٹھا ٹوانہ کا شاید ہی کوئی فرد ہو جس نے حریت پسندوں کی لاشوں پر اپنا قصر امارت تعمیر نہ کیا ہو ۔

باب ۷

نون

سرگودہا ڈویژن میں ٹوانہ ، نون اور عوان قبائل کے جو بڑے بڑے زمیندار آباد ہیں وہ سب کے سب "ملک" کہلاتے ہیں - ان کے شجرہ نسب سے ظاہر ہے کہ وہ ہندو راجپوتوں کی اولاد ہیں جو پندرہویں صدی میں دریائے سندھ کے کنارے آ کر آباد ہوگئے تھے - ان لوگوں نے قریب و جوار کے علاقے میں مار دھاڑ کی اور بے شمار اراضی پر قبضہ کر لیا - اسی ملکیت کے باعث اُن میں سے ایک ٹوانے ملک شیر خان نے اپنے آپ کو "ملک" کہلانا شروع کر دیا - انگریز کی آمد پر اُن لوگوں کی قسمت کا ستارہ چمکا - اُنہوں نے ۱۸۵۷ء میں آزادی پسندوں کا خون بہایا - جس کی سرخی نے ان کے چہرے گلنار کر دیئے - ان کے سینوں پر سونے اور چاندی کے تمغے

جگمگانے لگے اور ان کی جاگیریں حد نظر تک وسیع ہوگئیں ۔ (سر سکندر حیات خان ، سر فیروز خان نون ، سر خضر حیات خان سب اسی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں)

تھل اور شاہ پور کو آباد کرنے میں بلوچستان کے ایک خاندان کا بھی حصہ ہے ۔ جس نے ۱۵۲۷ میں اس علاقے پر قبضہ کیا ۔ اس کے سربراہ ملک بحر خان کچھ ، مکران کا ایک معمولی سردار تھا ۔ اس کی ایک بیٹی کے حسن کے چرچے دور دور تک پھیلے ہوئے تھے ۔ سیستان کے سردار نے رشتہ مانگا ۔ لیکن بحر خاں نے انکار کر دیا ۔ اس پر سیستان کے سردار نے اسے تنگ کرنا شروع کر دیا ۔ جس سے عاجز آ کر بحر خاں دہلی چلا گیا ۔ وہاں شہنشاہ بابر نے نیا نیا قبضہ کیا تھا ۔ شہنشاہ نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اسے فرخ آباد کی جاگیر بخش دی ۔ اس کے علاوہ بحر خاں کو شاہ پور کے نواح میں علاقہ تھل کا رئیس بنا دیا ۔ یہاں آسے اپنا انتقام لینے کا موقع ملا ۔ اس نے اپنا صدر مقام خوشاب کو بنایا ۔ اس کی وفات کے بعد گل بالک خان گدی پر بیٹھا، جس نے شاہ پور میں کئی نئے دیہات آباد کئے اور کھٹکیاں نام ایک قبیلہ کے تمام افراد کو موت کے گھاٹ اتار کر آس کا نام و نشان تک مٹا دیا ۔ کہا جاتا ہے کہ مقتولین کی ہڈیاں عرصہ دراز تک میدان میں بکھری رہیں ۔ اسی لئے اس مقام کا نام "ہڈیاں والہ" پڑ گیا ۔ آج کل اسے

"ہڈال" کہتے ہیں۔

جب احمد شاہ درانی نے ہندوستان پر قبضہ کیا تو اس قبیلہ کا سردار لال خان تھا۔ اس حملہ آور کی دامے درمے مدد کی اور سرکار دربار میں عزت پائی۔ جس پر اس کے بھائی مبارک خان کو حسد آیا اور اس نے لال خان کو قتل کر دیا۔ تاہم لال خان کے لڑکے فتح خان نے بہت جلد انتقام لے لیا اور مبارک خان کو بہاول پور بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

سکھوں کے زمانے میں اس قبیلے کو شروع میں نقصان اٹھانا پڑا۔ لیکن اس کے ایک فرد فتح خان نے رنجیت سنگھ کا "خراجی" ہونا قبول کر لیا۔ رنجیت سنگھ نے اُسے خوشاب کے ایک رئیس ظفر خان کے خلاف استعمال کیا۔ اور اُسے جھنگ کی جاگیر بخش دی اُس کے بعد سکھوں نے اُس کے بیٹے لنگر جان کو مختلف اضلاع میں جاگیروں سے نوازا، لنگر خاں نے انگریز کی بھی بڑی خدمت کی اور افغان جنگ میں حصہ لیتا رہا۔ راجہ ہیرا سنگھ نے اُسے فتح خان ٹوانہ کا مقابلہ کرنے پر مامور کیا لیکن اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ تاہم محاصرہ ملتان مں لنگر خاں نے بعض ایسے کارنامے دکھائے کہ انگریز نے خوش ہو کر اُسے جاگیروں اور انعاموں سے نوازا۔ جو ورثہ میں اس کی اولاد کو ملے۔ اس خاندان میں سے مبارک خان کے چھوٹے بھائی کا لڑکا سردار محمد چراغ انگریز کا ڈویژنل درباری

تھا۔

ٹوانوں کی ایک اور شاخ کا سربراہ سردار بہادر ملک جہان خان تھا جس نے ملک صاحب خان کے رسالے میں شامل ہو کر جہلم اور انبالہ کی لڑائیوں میں حصہ لیا اور مجاہدین کو تہہ تیغ کیا۔ وہ جنرل نیپئر کے ہمرکاب سی پی کی مہمات میں شریک رہا۔ اسے اور اس کی اولاد کو گورا فوج کی خدمت کے صلہ میں کئی اعزاز اور تمغے دیئے گئے۔

ملک جہان خان کی شادی پڈالی کے ملک غلام حیدر خان ٹوانہ کی لڑکی سے ہوئی۔ ملک غلام حیدر تمام ٹوانوں کا مورث اعلی سمجھا جاتا تھا اس کے بیٹے اور پوتے خاندان کی روایت کے مطابق گوار فوج کے ملازم رہے اس کے دوسرے بیٹے ملک فتح خاں کے تینوں بیٹے رسالدار میجر تھے وہ پڈالی ہی میں رہتے تھے اور تین ہزار گھاؤں زمین کے مالک تھے۔

ٹوانوں کی ایک اور شاخ کے سربراہ نواب ملک خدا بخش تھے وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوج میں ملازم تھے ان کی خدمات کے عوض سکھوں نے اُن کو ہموکات نام گاؤں کے مالکان کے حقوق دیدیئے تھے۔

ملک خدا بخش ٹوانہ کی اولاد میں سے ملک سلطان محمود نے ایڈورڈس کے ساتھ ملتان کی لڑائی میں حصہ لیا۔ اور رسالدار کے علاوہ انسپکٹر پولیس بھی مقرر ہوا اس کے بیٹے

ملک خدا بخش کے پاس خواجہ آباد کی اسٹیٹ کے علاوہ بے شمار زرخیز زمین تھی جس کے سیراب کرنے کے لئے ایک پرائیویٹ نہر کھودی گئی۔ وہ کابل میں انگریز کا سفیر بھی رہا ہے۔ اسے نواب کا خطاب ملا اس کے بیٹے ملک اللہ بخش خاں ٹوانہ نے ایچسن کالج میں تعلیم پائی۔ ہمو کا فیملی کے سربراہ ملک صاحب خاں تمام انعام و اکرام کے وارث ہوئے۔

مٹھا ٹوانہ میں نون بھی آباد ہیں جو در اصل ٹوانوں کے رشتہ دار ہیں ان کا مورث اعلیٰ راجہ گنج نامی ایک ہندو راجپوت تھا اس خاندان میں سے ملک خاں اور ملک جہان خاں نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوجی خدمت کی اور کئی دیہات جاگیر کے طور پر حاصل کئے۔ بغاوت ملتان کے زمانہ میں ملک فتح خاں نے ایڈورڈس کا ساتھ دیا اور جہلم اور بنوں کے اضلاع میں کئی قعلے برباد کئے۔ اسے بارہ سو روپیہ پنشن ملتی رہی۔ اس کے بیٹے ملک محمد حیات خاں کے پاس بھیرہ میں ساڑھے تین ہزار ایکڑ زمین تھی۔

نون خاندان کا سربراہ ملک محمد حاکم خاں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں ملک فتح شیر خاں ٹوانہ کے رسالے میں شامل تھا اسے بھی پنشن کے علاوہ تحصیلداری کا عہدہ ملا۔ اس کے پاس پانچ ہزار ایکڑ زمین تھی جس کا کچھ حصہ اس نے انگریز حکومت سے سستے داموں خریدا۔ اسے خان بہادر کا خطاب بھی

دیا گیا - اس کا بیٹا ملک شیر محمد خاں انگریزی دور کا آنریری مجسٹریٹ رہا ہے ملک فیروز خاں نون قیام پاکستان سے پہلے وزیر تعلیم تھے اور قیام پاکستان کے بعد مختلف مرکزی اور صوبائی عہدوں پر متمکن رہے وہ مسلم لیگ زرعی اصلاحات کمشن کے رکن تھے - انہوں نے پنجاب میں کوئی ایسی اصلاح نہ ہونے دی جس کا فائدہ مزارعین کو پہنچ سکتا -

باب ۸

مغل میرزے

سلطنت مغلیہ کے اقتدار کو جس ''گھر کے چراغ،، نے آگ دکھائی وہ میرزا الہٰی بخش تھا جس کی ایک بیٹی بہادر شاہ ظفر کے بڑے لڑکے میرزا فخرو سے بیاہی ہوئی تھی - جب انگریز نے دہلی کا محاصرہ کیا تو جاسوسی کے فرائض ادا کرنے والا میرزا الہٰی بخش تھا - بیگم زینت محل سے اس کے تعلقات تھے - اس لئے شاہی محل کی خبریں فراہم کرنا اس کے لئے چنداں دشوار نہ تھا - اس نے نہ صرف پچاس گوروں کی جان بچائی بلکہ انگریزی سپاہ کو دریائے جمنا پر کشتیوں کا پل توڑنے میں بھی عملی امداد بہم پہنچائی - اسی پر بس نہیں - اس نے خضر سلطان اور ابوبکر شہزادوں کا پتہ بھی ہڈسن کو بتا دیا جس نے اُن کو قتل کر کے اُن کی لاشوں کو سڑک پر

گھسیٹا پھر اُس نے بہادر شاہ ظفر کو بھی مجبور کیا کہ وہ انگریز حملہ آوروں کے سامنے ہتھیار ڈال دے۔ انہی خدمات کے عوض میرزا الٰہی بخش کو ۲۲،۸۳۰ روپے کی سالانہ پنشن کے علاوہ دہلی، میرٹھ اور رہتک کے کئی دیہات کی جاگیر بھی عطا کی۔ میرزا الٰہی بخش کے بعد میرزا ثریا جاہ المعروف بہ کیوان شاہ کو مغلوں کا نمائندہ تسلیم کر لیا گیا۔ اسوقت پاکستان میں مغلیہ شاہی خاندان کے سربراہ صاحب عالم میرزا خیرالدین خورشید جاہ رہائش پذیر ہیں لیکن ان کا میرزا الٰہی بخش سے کوئی براہ راست تعلق نہیں ہے۔ ان کا شجرۂ نسب بہادر شاہ کے لڑکے میررا معظم بخت سے جا ملتا ہے۔ میرزا فیاض الدین آن کے والد اور میرزا کبیرالدین آن کے دادا ہیں۔ آن کو کوئی ''جاگیر،، یا ''بڑی زمینداری،، وراثت میں نہیں ملی۔ البتہ نواب شاہ (سندھ) میں آن کی زمین موجود ہے۔

مغل بادشاہوں کی دوسری اولاد برصغیر کے مختلف علاقوں میں بکھر کر رہ گئی ہے۔ ایک شاخ کا تعلق راجوری کے رہلو خاندان سے ہے جس کی ایک خاتون سے شہنشاہ اورنگ زیب نے شادی کر لی تھی اسکے یہاں بہادر شاہ ظفر پیدا ہوا۔ انگریزوں نے اس خاندان کے افراد خصوصاً راجہ عظیم اللہ خاں کو انعام و اکرام اور جاگیروں سے نوازا۔ لیکن ۱۹۰۵ء کے زلزلہ میں قلعہ رہلو کی تباہی کے ساتھ ہی یہ خاندان بھی

مٹ گیا ۔

مغل میرزوں کی ایک شاخ قادیان سے تعلق رکھتی ہے یہ سمرقند کے ایک برلاس مغل ہادی بیگ کی اولاد ہے جو بابر کے عہد میں ضلع گورداسپور (مشرق پنجاب) میں جا کر آباد ہوگیا ۔ اس خاندان کے پاس قادیان اور ارد گرد کے ۸۲ دیہات کی جاگیر تھی لیکن آپس کے لڑائی جھگڑوں نے سب ضائع کر دی ۔ آخر رنجیت سنگھ نے میرزا غلام مرتضیٰ کو فوجی خدمات کے عوض اس جاگیر کا متبدبر واپس کر دیا ۔ ۱۸۵۷ء جنگ آزادی میں اس خاندان نے انگریز کا ساتھ دیا اور جنرل نکلسن سے تعریفی سرٹفکیٹ پایا ۔ میرزا غلام مرتضیٰ کی وفات کے بعد میرزا سلطان احمد اس خاندان کے سربراہ مقرر ہوئے جو پہلے نائب تحصیلدار پھر ایکسٹرا اسٹنٹ کمشنر تھے میرزا غلام احمد نے مسیح موعود ہونے کا دعوی کیا ۔ ان کے ورثا نے اپنی جائداد الگ بنائی ۔ سندھ میں اس خاندان کے پاس وسیع قطعات موجود ہیں ۔

باب ۹

بہاولپور کے نواب

پنجاب کے جنوب مغرب اور سندھ کے شمال مشرق میں دریائے سندھ اور ستلج کے درمیان تین سو میل لمبی اور پچاس میل چوڑی ریاست بہاولپور کی بنیاد اگرچہ اٹھارہویں صدی کے اوائل میں رکھی گئی تاہم اسے ''نوابی،، اور ''جاگیر،، کا درجہ انگریز ہی کے زمانہ میں عطا ہوا - اس ریاست پر داؤد پوتوں کی حکمرانی ہے جو اپنے آپ کو حضرت عباس (رسول کریمؐ کے چچا) کی اولاد کہتے ہیں - بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت علی کے زمانہ میں حضرت عباس کے بیٹے عرب سے ہجرت کر کے خراساں کے رستے سندھ میں آ کر آباد ہو گئے - یہاں انہوں نے دریائے سندھ سے نہریں نکالیں اور وسیع رقبہ پر قابض ہو کر

کھیتی باڑی کرنے لگے - ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ نے انہی میں سے ایک شخص صادق محمد خان اول کو ''نواب،، کے خطاب سے سرفراز کیا اور بہاولپور کی تمام زمینوں کا مالک بنا دیا - تاہم یہ ریاست کئی برس تک چھوٹی چھوٹی نوابیوں میں تقسیم رہی - اور مالکانہ حقوق کسی ایک کے نام نہ ہو سکے - آخر صادق ملک خان کے پوتے بہاول خان دوم نے ریاست کے بکھرے ہوئے عناصر کو یکجا کیا - اور قبیلے کے تمام سرداروں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کر لیا - بہاول خان نے رفتہ رفتہ ملتان اور ارد گرد کے کئی اضلاع پر بھی قبضہ کر لیا - ۱۸۰۲ء میں اس نے کابل کے شاہ محمد کی اجازت سے ایک ٹکسال قائم کی اور اپنا سکہ علیحدہ چلایا - کچھ عرصے بعد جب سکھوں کو اقتدار حاصل ہوا تو یہ نوابی بھی ختم ہو گئی - تاہم بہاول خان سوم (۱۸۲۵ء) نے انگریزوں سے ایک معاہدہ کر کے اسے سکھوں سے واگزار کر لیا - ۱۸۳۸ء میں جب انگریزوں نے افغانستان سے جنگ کی تو بہاول خان نے ان کی بھر پور مدد کی جس سے خوش ہو کر برطانوی حکومت نے اسے اپنی پناہ میں لے لیا - اس کے بعد سکھوں کی دوسری لڑائی میں بھی جب ملتان نے بغاوت کی تو یہی بہاول خان مولچند کا محاصرہ کرنے میں پیش پیش تھا - ان خدمات کے عوض انگریز نے اس کی ایک لاکھ روپیہ پنشن

مقرر کر دی اور ساٹھ لاکھ روپیہ انعام کے طور پر دیا ۔
۱۸۶۳ء میں داؤد پوتوں نے نواب بہاولپور خان چہارم کے خلاف بغاوت کی لیکن اسے سختی سے کچل دیا گیا ۔ اس کے فوراً بعد نواب کی پراسرار حالات میں موت واقع ہوگئی جس پر انگریزوں نے صادق محمد خاں چہارم کو جانشین مقرر کر کے ریذیڈنسی خود سنبھال لی ۔ ۱۸۷۹ء میں جب نواب بالغ ہوا تو اسے نوابی واپس کر دی گئی ۔ اس اثنا میں ریاست کو ہر لحاظ سے ترقی یافتہ بنانے کی کوشش کی گئی تھی ۔ اس لئے آمدنی بھی چودہ لاکھ سالانہ سے بڑھ کر بیس لاکھ روپے ہوگئی ۔ نواب صادق خان نے دوسری افغان جنگ میں انگریز کی بھرپور امداد کی اور بیس ہزار اونٹ ، سینکڑوں خچر اور بیل انگریزی سپاہ کی نقل و حرکت کیلئے وقف کر دیئے ۔ اس کے علاوہ نواب نے سوڈان اور مصر میں انگریز کا ساتھ دیا ۔ ان خدمات کے صلہ میں لارڈرپن نے اسے خطابات سے نوازا اور نواب صادق خان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا نواب بہاول خان پنجم گدی پر بیٹھا ۔ یہ لارڈ کرزن کا عہد تھا ۔ اس نے پھکلیاں کو بھی ریاست میں شامل کرنے کا حکم دیا ۔ تاہم نواب نو عمری ہی مین فوت ہو گیا اور صادق محمد خان پنجم اس کا جانشین مقرر ہوا ۔ نواب بہاولپور نے تحریک پاکستان کا ساتھ دیا اور

آزادی کے بعد بہاولپور کو سندھ کا حصہ بنانے پر رضامندی ظاہر کر دی تاہم ریاست کی زرخیز ترین زمینوں پر اب بھی امیر بہاولپور کا قبضہ ہے - ایوب حکومت نے زرعی اصلاحات کے ذریعے نہ صرف تمام زمینوں پر ان کو اور ان کے خاندان کو قابض رہنے کی اجازت دیدی بلکہ مویشی فارم کھولنے کے لئے مزید بیس ہزار ایکڑ دے دیئے -

باب ۱۰

نواب ممدوٹ

دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ میں خبر آئی تھی کہ پاکستان کی فوجوں نے فیروز پور میں ممدوٹ کی جاگیر پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہ جاگیر در اصل ۱۵۷۰ء میں شہنشاہ اکبر نے قندہار کے پٹھانوں کو آباد کرنے کے لئے قائم کی تھی۔ ممدوٹ کے سردار حسن زئی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب سکھوں نے زور پکڑا تو انہی پٹھانوں نے ان کا مقابلہ کیا لیکن گلاب سنگھ نے اس آبادی پر قبضہ کر لیا۔ اس جاگیر کے دو سردار نظام الدین اور قطب الدین سکھوں کی فوج میں بھرتی ہو گئے اور کوشش کر کے اپنا علاقہ واپس لے لیا۔ تاہم یہ جاگیر ہمیشہ حاکم لاہور کے ماتحت رہی۔ ۱۸۲۴ء میں قطب الدین خان کو لاہور کی لوٹ مار کی پاداش میں ساڑھے بارہ سو روپیہ

جرمانہ بھی ہوا۔ دراصل چوری اور ڈاکہ اس علاقے کے لوگوں کا پیشہ بن چکا تھا۔ ان کے ایک سردار جمال الدین کو نوابی کا خطاب ملا لیکن وہ عیش و عشرت کا دلدادہ تھا اس کے زمانہ میں لوٹ مار کو اور بھی فروغ ہوا۔ آخر انگریز نے اُسے پنشن دے کر لاہور میں بلا لیا۔ ملتان کی جنگ میں ممدوٹ نے انگریز کی قابل قدر خدمات سر انجام دیں۔ ۱۸۵۷ء میں جلال الدین (جمال الدین کے بھائی) نے فیرزو پور اور بہاول پور کے درمیان ہرکارے کے فرائض سر انجام دیئے۔ وہ انگریز کے خفیہ پیغامات پہنچانے پر مامور تھا۔ ان خدمات سے خوش ہو کر ایگریز گورنر جنرل نے نہ صرف جلال الدین کو نواب تسلیم کر لیا۔ بلکہ اسے ممدوٹ میں رہنے کی اجازت بھی دے دی۔ اُس کے بعد نواب نظام الدین خان نے گدی سنبھال لی۔ اس کے زمانہ میں جاگیر نے بہت ترقی کی اور آمدنی میں خاصا اضافہ ہو گیا۔ تاہم نواب چونکہ اسراف پسند تھا اس لئے ساری عمر مقروض رہا۔ ۱۸۹۹ء میں اُس کی وفات کے بعد نواب قطب الدین کو جانشین بنایا گیا۔ نواب قطب الدین کی تعلیم ایچیسن کالج لاہور میں ہوئی۔ اس نے شادی بھی نواب لوہارو (سر امیرالدین خان) کی بیٹی سے کی۔ (نواب سر شاہنواز خان جنھوں نے مسلم لیگ کا ہمیشہ ساتھ دیا نواب عطاالدین خان (المعروف خان بہادر خان) کے صاحبزادے تھے وہ پہلے نظام

حیدرآباد کے سی آئی ڈی تھے - اس کے بعد اپنی جاگیر پر واپس آ گئے - اور زیادہ تر لاہور میں رہے ان کے صاحبزادے نواب افتخار حسین خان تھے جو پنجاب کے وزیر اعلیٰ بھی رہے - قیام پاکستان کے بعد جاگیر تو بھارت میں رہ گئی البتہ اس کے عوض کچھ زمین ساہیوال میں الاٹ ہوئی -

ممدوٹ کے پاس ہی قصوریوں کی ایک جاگیر ہے جس کا بانی ایک بھٹی راجپوت محمد حیات خان تھا اس کے بیٹے پوتے ہمیشہ ممدوٹ کے ملازم رہے - لیکن مخبری کے صلہ میں انگریز نے ان کو جاگیر عطا کر دی - ان میں سے شمس الدین خان نے میجر لارنس (ریذیڈنٹ لاہور) کی بے شمار خفیہ خدمات سر انجام دیں اس کے بیٹے سردار خان کو فیروز پور کے قریب چھ سو گھماؤں زمین ملی - اس کے بعد اس کے بیٹے محمد عمر خان کو خاندان کا سربراہ تسلیم کر لیا گیا -

باب ۱۰

لڈن کے دولتانے

دولتانوں کا تذکرہ ''رؤسائے پنجاب،، میں نہیں ہے تاہم ان کا شمار پنجاب کے بڑے زمینداروں میں ہوتا ہے۔ ان کی اسٹیٹ ملتان کی تحصیل وہاڑی میں واقع ہے۔ جب میاں ممتاز دولتانہ برسراقتدار آئے تو ان کے پاس ساڑھے چھ سو مربع کے قریب زمین تھی لیکن ایوب خان کی زرعی اصلاحات کے نتیجہ میں ان کو چار سو مربع حکومت کے حوالے کرنا پڑے بایں ہمہ ان کے خاندانوں نے اپنا بہت سا روپیہ شہری جائدادوں اور کارخانوں کے حصص میں منتقل کر رکھا ہے جس کی بنا پر ریاض دولتانہ کا شمار ۲۲ امیر ترین خاندانوں میں ہوتا ہے۔

دولتانوں کا مورث اعلیٰ بڈھن تھا جس نے اپنے نام پر

بڈھن نام کا ایک گاؤں بھی آباد کیا ۔ دولتانہ ان قبائل میں سے ہے جو سکندراعظم کے حملہ سے بہت پہلے دریائے ستلج کے کنارے آ کر آباد ہوا ۔ مارس نام ایک سیٹلمنٹ افسر نے ۱۸۵۸ء میں بندوبست کی کتاب میں لکھا ہے کہ ستلج کے ساحل پر میلسی کی تحصیل میں جویا نام ایک قبیلہ کے تریسٹھ گاؤں تھے ۔ یہ قبیلہ بیکانیر کے راجپوتوں کا تھا ۔ خیال ہے کہ پندرہویں صدی میں یہ لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوگئے ۔ رفتہ رفتہ انہوں نے ستلج کے دونوں کناروں پر قبضہ کر لیا ۔ کنگھم کا خیال ہے کہ جویا در اصل یاندہی قبیلہ کے خاندان سے تھے جو سکندراعظم کے حملہ سے پہلے یہاں آیا ۔ یہ لوگ آٹھ سو برس قبل یعنی بارہویں صدی میں مسلمان ہوئے ۔ ان میں سے دو بھائی بہت مشہور ہوئے ۔ رائے جلال الدین اور رائے کمال الدین ان کو سلطان دہلی نے ایک بھٹی سردار کی سرکوبی کے لئے بھیجا ۔ انہوں نے بھٹی کو تہہ تیغ کر کے اس کا قلعہ مسمار کر دیا اور ان میں سے جلال الدین اسی جگہ آباد ہوگیا ۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک قبیلہ سالدھیر یہاں آ نکلا ۔ اس نے لڈن کو آباد کیا پھر دولتانے آئے جن کا سربراہ بڈھن خاں تھا ۔ اس کا وارث غلام محمد لڈن ہوا جس کی مورس نے بہت تعریف کی ہے ۔

قیام پاکستان سے پہلے اس خاندان کے جس فرد نے شہرت

حاصل کی وہ میاں احمد یار خاں دولتانہ تھے۔ وہ اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر پنجاب کی سیاست پر اثر انداز ہوئے۔ وہ یونی نسٹ پارٹی کے سربرآوردہ رکن تھے۔ اُن کی جائداد پر کئی لاکھ کا قرض ہوگیا جو اُن کے فرزند میاں ممتاز دولتانہ نے اُتارا۔ میاں ممتاز دولتانہ بھی سیاست میں سرگرم حصہ لیتے رہے اور نواب ممدوٹ کے بعد پنجاب کے وزیر اعلٰی مقرر ہوئے۔ آزادی سے پہلے اور بعد پنجاب کی تاریخ جن بڑے زمینداروں نے مرتب کی ان میں میاں ممتاز دولتانہ بھی شامل ہیں۔ ۱۹۴۹ء میں اُنھوں نے زرعی اصلاحات کے لئے مسلم لیگ کی ایک کمیٹی مقرر کی لیکن ان کے اپنے علاوہ پنجاب کے دوسرے بڑے زمینداروں نے اس کی سفارشات کو ناکام بنا دیا۔ اگرچہ مجوزہ قوانین کا مقصد زمینداروں کے حقوق کے تحفظ کے سوا کچھ نہ تھا۔ تاہم بڑے زمیندار اتنا بھی گوارا نہ کر سکے کہ مزارعین کو بھی ان کے تھوڑے بہت حقوق دیئے جائیں۔

باب ۱۱

گیلانی مخدوم زادے

پنجاب کے جو زمیندار پیری مریدی کے طفیل بڑے بن گئے ان میں گورمانی اور گیلانی نمایاں ہیں ۔ گیلانی مخدوم زادے ملتان میں وسیع اثر و رسوخ کے مالک رہے ہیں ۔ وہ شیخ سید محمد غوث کی اولاد ہیں جو پیر پیراں کے نویں خلیفہ، تھے ۔ شیخ غوث سولھویں صدی میں ترکی سے ہجرت کر کے اوچ (بہاولپور) میں آ کر آباد ہوئے ۔ ان کے ایک پڑپوتے پیر موسیٰ پاک شہید کی اولاد میں سے نواب سید یحیٰ اور نواب سید موسیٰ پاک دین مغل بادشاہوں کے زمانہ میں ملتان کے گورنر بھی رہے ہیں ۔ پیر موسیٰ کا مزار ملتان میں ہے ۔ سجادہ نشین ''خیرخواہان برطانیہ،، میں سے تھے ۔ ان کو میجر ہربرٹ ایڈورڈسل نے ایک سند بھی دے رکھی ہے جس میں ان کی وفا شعاری کی تعریف

کی ہے - سر جان لارنس نے بھی جنگ آزادی میں قوم فروشانہ خدمات پر مخدوم سید نور شاہ کو ایک سند اور تین سو روپے کی ایک خلعت عطا کی تھی - ''پیر سید ولایت شاہ،، کو ۱۸۷۶ء میں ''گیلانی رئیس،، قرار دے کر آنریری مجسٹریٹ مقرر کیا گیا - اس کے بعد مخدوم سید صدرالدین شاہ ''صوبائی درباری،، کہلائے - ان کے پنجاب اور سندھ کے علاوہ افغانستان میں بھی مرید تھے - اسی طرح سید شیر شاہ اور سید راجن شاہ اے ای سی اور میونسپل کمشنر مقرر ہوئے -

باب ۱۲

گورمانی نواب

گورمانیوں کے مرید تو موجود ہیں لیکن گورمانی ٹھٹھہ اب خانقاہ کی حیثیت سے اہم نہیں رہا - اس گاؤں کی بنیاد اسطرح پڑی تھی کہ جب حاکم ملتان بہلول خاں ۱۴۵۰ء میں سلطان دہلی بنا تو اس نے دریائے سندھ اور کوہ سلیمان کے درمیان کا علاقہ اپنے بھتیجے اسلام خاں کے سپرد کر دیا اسلام خاں کے پوتوں نے اراضی آپس میں بانٹ لی - طاہر خاں کے حصے سیت پور کا علاقہ آیا جو آجکل علی پور تحصیل کہلاتا ہے - اس کے بھائیوں کو ڈیرہ غازی خاں کے بانی بلوچ خاں نے مار بھگایا لیکن طاہر خاں کی اولاد اپنی جائیداد پر قابض رہی - تاہم ارد گرد کے بلوچی اس خاندان کو تنگ کرتے رہے اور آخر زمین پر قابض ہوگئے - گورمانی انہی کی نسل

میں سے ہیں۔ ان میں سے میاں محبوب بہت بڑے زمیندار تھے وہ مجسٹریٹ اور درباری بھی تھے۔ ۱۸۸۴ء میں ان کو خان بہادر کا خطاب بھی ملا۔ میاں محبوب اپنے باپ دادا کے مزاروں کے متولی تھے۔ ان کے مرید پنجاب کے جنوبی علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ خان بہادر محبوب کے بعد میاں شیخ احمد نے جائداد کا ورثہ پایا۔ مشتاق احمد گورمانی ان کے بھائی میاں محمد زمان کے صاحبزادے ہیں۔ قیام پاکستان سے پہلے بہاولپور کے وزیراعظم تھے۔ اس کے بعد پاکستان کے وزیر داخلہ اور مغربی پاکستان کے گورنر رہے۔ صدر ایوب کی زرعی اصلاحات کے باوجود ان کے پاس وسیع قطعات اراضی ہیں۔

باب ۱۳

مالیر کوٹلہ کے نواب

رئیس مالیر کوٹلہ کی اولاد پاکستان میں آباد ہے اور اس نے (مثلاً نوابزادہ رشید علی خان نے) حصول آزادی سے پہلے اور بعد مسلم لیگ کی جو قابل قدر خدمات سرانجام دیں اس کا اعتراف سب کو ہے لیکن اس تاریخی حقیقت پر پردہ کیسے ڈالا جا سکتا ہے کہ جس ریاست کو سکھوں نے پے در پے حملوں سے خاکستر کر کے رکھ دیا تھا۔ اس میں اگر کوئی چنگاری پیدا ہوئی تو وہ انگریز کے ''دم مسیحا'' کا اعجاز تھا۔

مالیر کوٹلہ کا خاندان سلاطین دہلی کی ملازمت کے لئے ۱۴۶۷ء میں کابل سے ہجرت کر کے آیا۔ اس کے سربراہ شیخ صدرالدین نے سلطان بہلول لودھی کی لڑکی سے شادی کی تو

جہیز میں تین لاکھ روپے اور ۵۸ گاؤں ملے - اس خاندان کے پانچویں وارث بازید خان کو نواب کا خطاب شاہ عالمگیر نے دیا - بازید خان ہی نے کوٹلہ کا قلعہ تعمیر کرایا اور اسی بنا پر یہ ریاست "مالیر کوٹلہ" کہلائی - جب سکھوں نے مار دھاڑ شروع کی تو مالیر کوٹلہ کے ایک نواب شیر محمد نے نہ صرف ان کی سرکوبی کی بلکہ گورو تیغ بہادر کو گرفتار کر کے دہلی بھجوایا - اسکے علاوہ گورو گوبند سنگھ کے خاندان کی ایک عورت کو کلمہ پڑہا کر اس سے نکاح بھی کر لیا - تاہم کچھ عرصہ کے بعد سکھوں نے پھر طاقت پکڑ لی اور انہوں نے دو چار دیہات کے علاوہ پوری ریاست مالیر کوٹلہ کو تباہ کر کے رکھ دیا -

۱۸۰۳ء میں جب انگریزوں نے اپنے پاؤں پھیلائے تو مالیر کوٹلہ کے بچے کچھے رؤسا نے ان کا ساتھ دیا اور جنرل میک کے ساتھ مل کر نہ صرف مرہٹوں کا مقابلہ کیا بلکہ ستلج کے آس پاس کے علاقہ میں انگریزی اقتدار کی جڑیں مضبوط کیں -

۱۸۰۹ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مالیر کوٹلہ سے ڈیڑھ لاکھ کا تاوان جنگ طلب کیا - جس میں سے پچاس ہزار تو نقد دیدیا گیا اور بقایا کے لئے پانچ دیہات سکھوں کے پاس رہن رکھ دیئے گئے - ۱۸۰۹ء میں اس ریاست کو انگریز نے

از سرنو زندہ کیا اور اس کے رؤسا کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا - چنانچہ رحمت علی خان نے گورکھوں کی لڑائی میں سر آچر لونی کی جنگی ساز و سامان اور اونٹ گھوڑوں سے پوری پوری مدد کی - ادہر رحمت علی خان کا بھائی فضل علی بھرت پور کے محاصرہ میں انگریز کے دوش بدوش لڑا - پھر ۱۸۴۶ء میں معرکۂ ستلج کو کامیاب بنانے کے لئے مالیر کوٹلہ نے سات سو سوار دیئے جنگی کہان اس زمانہ کے نواب نے اپنے ہاتھ میں تھامی -

ان تمام خدمات کے عوض انگریز نے تین دیہات نواب کو بخش دیئے جو ریاست مالیر کوٹلہ کے جزو رہے ہیں اسکے بعد وراثت کے جھگڑے اٹھے لیکن اس دوران میں بھی مالیر کوٹلہ کے نوابوں نے کابل اور گورکھا لڑائیوں میں حصہ لیا جس کے صلہ میں نواب امیر خان کو ''ہز ہائی نس،، کا خطاب ملا -

غرض جو جاگیر اور زمینداری سکھوں نے ختم کر دی تھی اسے انگریز نے از سر نو زندہ کر دیا اور نواب کا خطاب بھی بحال ہوگیا - اسی پر بس نہیں - ۱۸۷۷ء میں نواب مالیر کوٹلہ کو دہلی دربار میں کرسی پیش کی گئی اور اسے دو مزید توپوں کی سلامی کی اجازت عطا ہوئی -

ریاست مالیر کوٹلہ کے رؤسا کو ''خوانین،، بھی کہا جاتا

ہے وہ دراصل نواب بہادر خان کی اولاد میں سے ہیں ۔ ان کو اعتراض یہ تھا کہ سابقہ نواب نے سکندر علی کو اپنا متبنی کیوں بنایا ۔ جب ۱۸۷۸ء میں غلام محمد خان فوت ہو گیا تو اسکی ریاست اور جاگیر کے مالکانہ حقوق اسکے پانچ بیٹوں کو منتقل ہو گئے جن میں سے محمد علی خان اور ذوالفقار علی خان مشہور ہوئے ۔ ان دونوں کی تعلیم ایچیسن کالج لاہور میں ہوئی خان ذوالفقار علی خان (جن کو بعد میں سر کا خطاب ملا) پہلے لدھیانہ کے آنریری ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے بعد میں وائسرائے کی لیجسلیٹو کونسل کے ممبر بھی رہے ۔ ان خوانین کے نواب مالیر کوٹلہ سے تعلقات بھی اچھے نہیں رہے ۔ تاہم ان کی موروثی حیثیت انگریز نے تسلیم کر رکھی تھی ۔ نواب کا خطاب مغل بادشاہ نے دیا لیکن وہ سکھوں کے زمانہ میں ختم ہو چکا تھا اس کے بعد انگریز نے تجدید کی لیکن خان ذوالفقار علی خان کے حصہ میں وہ بھی نہ آ سکا ۔ خان محمد علی خان میرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے داماد تھے ۔ ان کو بھی یار لوگ ''نواب'' کہتے تھے ۔ حالانکہ نوابی کا ''خوانین'' سے کوئی تعلق نہ رہا تھا ۔

باب ۱۴

قزلباش نواب

انگریز نے لاہور میں جن لوگوں کو ''نوابی،، عطا کی ان میں قزلباش خاندان کو امتیازی درجہ حاصل ہے - ''قزلباش،، ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں ''سرخ بالوں والا،، قزلباش قبیلہ بحیرۂ کسپیئن کے ساحل پر آباد تھا اور اپنی شوریدہ سری ، بغاوت اور لوٹ مار کے لئے بدنام تھا - گریفن کا بیان ہے کہ ایران کا بادشاہ ان لوگوں کو ہمیشہ شاہ کابل کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا - جن لوگوں کو گرفتار کر لیا جاتا اُن کو مجرموں کی ''سرخ ٹوپی،، پہنا دی جاتی اور اسی بنا پر وہ ''قزلباش،، کہلائے - ایک اور مورخ کا بیان یہ ہے کہ اس قبیلہ کے افراد شاہ ایران کی فوج میں بھی بھرتی ہوئے - ان کی وردی میں ''سرخ ٹوپی،، شامل تھی - اس لئے وہ قزلباش

مشہور ہو گئے -

بہر حال تاریخ پنجاب سے ثابت ہے کہ جب نادر شاہ نے ۱۷۳۸ء میں ہندوستان پر حملہ کیا تو اُس کی فوج میں قزلباش موجود تھے وہ ان لوگوں کو بھرتی کر کے اپنے ہمراہ لے آیا تھا مبادا وہ اس کی عدم موجودگی میں شورش برپا کریں - تاہم ان لوگوں نے بڑی وفاداری سے بادشاہ کی خدمت کی اور اس کی مہمات کو کامیاب بنایا - جس سے خوش ہو کر اس نے اُن کے لئے ایک امیر علی خان کو قندہار کا گورنر بنا دیا اسی طرح دوسرے قزلباش سرداروں کو بھی مختلف عہدوں پر متمکن کر دیا -

۱۸۳۹ء میں جب انگریزوں نے کابل پر حملہ کیا تو قزلباشوں نے اُن کی بھر پور امداد کی - اور ان کی فوجوں اور قیدیوں کے تمام مصارف برداشت کئے بلکہ اُن کو اپنے گھروں میں پناہ دی - تاہم جب انگریزوں کو پسپا ہونا پڑا تو وہ بھی اپنے سفید فام آقاؤں کے ساتھ ہندوستان آ گئے یہاں آ کر انہوں نے انگریزوں کے دوش بدوش کانگڑہ اور کشمیر میں مسلمان فوجوں کا مقابلہ کیا - اور صلہ میں خطابات اور جاگیریں پائیں - ان میں سے علی رضا خاں انگریزوں کا خاص معتمد تھا جس کو نواب کا موروثی خطاب ملا - علی رضا خاں کے بعد نوازش علی خاں قزلباش کے نواب قرار پائے ان کے بعد اُن کے چھوٹے

بھائی ناصر علی خاں کو جانشین بنایا گیا جن کے وارث اُن کے بھتیجے نواب فتح علی خاں قرار پائے - وہ پنجاب اسمبلی کے نامزد رکن تھے - انگریزوں نے اُن کو سی آئی ای کا خطاب بھی دیا - اب اس خاندان میں امتیازی حیثیت نواب مظفر علی خاں کو حاصل ہے - جو متعدد مرتبہ مرکزی اور صوبائی وزرات کے عہدوں پر متمکن رہ چکے ہیں - اس خاندان کے پاس ضلع لاہور میں وسیع قطعات اراضی ہیں جن میں سے بعض ''تعزیہ'' اور ''دلدل'' کے نام وقف ہیں -

باب ۱۵

بخاری فقیر

سکھوں اور انگریزوں کے درمیان جس شخص نے ''واسطہ'' کا کام دیا وہ فقیر عزیزالدین تھا ۔ اُس کے والد کا نام غلام شاہ تھا جس کا خاندان پہلے اوچ (بہاولپور) میں رہتا تھا ۔ پھر چونیاں (لاہور) میں آٹھ آیا ۔ اس خاندان کا بانی ایک عرب باشندہ جلال الدین تھا جو ساتویں صدی عیسوی میں بخارا میں آ کر آباد ہو گیا ۔ فقیر اور درویش ہونے کے باعث لوگوں نے اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا ۔ لیکن حاکم بخارا ہلاکو خاں کو (جو بت پرست اور ظالم تھا) اُس سے نفرت ہو گئی ۔ اُس نے حکم دیا کہ جلال الدین کو زندہ جلا دیا جائے ۔ لیکن اُس کا کچھ بھی نہ بگڑا ۔ حاکم بخارا بے حد متاثر ہوا ۔ وہ نہ صرف مسلمان ہو گیا بلکہ اپنی بیٹی جلال الدین سے بیاہ دی ۔ اسی نسبت

سے یہ خاندان ''بخاری فقیر،، کہلاتا ہے تاہم ایک روایت یہ بھی ہے کہ پہلے یہ لوگ اپنے آپ کو ''انصاری،، لکھتے تھے - لیکن فقیر عزیزالدین نے اپنے آپ کو ''بخاری سید،، کہنا شروع کر دیا - اصل واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جلال الدین کی وفات کے بعد جب یہ خاندان جڑ پکڑ گیا تو عبداللہ انصاری نام لاہور کے ایک حکم نے اس کی امداد کی - اور اس کے ایک یتیم بچے غلام محی‌الدین کو اپنے خرچ پر پڑھایا لکھایا - فقیر عزیزالدین اسی غلام محی‌الدین کا لڑکا تھا - وہ لاہور کے ایک ہندو وید حاکم رائے کا شاگرد تھا - ۱۷۹۹ء میں جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے لاہور پر قبضہ کیا تو فقیر عزیزالدین نے مہاراجہ کی آنکھوں کا علاج کیا - اس کے صلہ میں فقیر کو انعام و اکرام ملا جس میں بعض دیہات کی جاگیرداری بھی شامل تھی - ۱۸۰۸ء میں جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مٹکاف کو مار بھگانا چاہا تو فقیر عزیزالدین نے مہاراجہ کو روک دیا - اس طرح انگریزوں کو پنجاب میں اپنے قدم مضبوط کرنے کا موقع مل گیا - مہاراجہ رنجیت سنگھ نے فقیر عزیزالدین کو مسلمان سرداروں کے خلاف بھی استعمال کیا اور کئی مہمات اسی کے ذریعہ سر کیں واقعہ یہ ہے کہ اگر فقیر عزیزالدین غداری نہ کرتا تو نہ سکھوں کو پنجاب میں پاؤں پسارنے کا موقع ملتا نہ انگریز اتنی آسانی کے ساتھ اس صوبہ پر قبضہ کر سکتے -

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی موت کے بعد بھی فقیر عزیزالدین انگریزوں اور سکھوں کے درمیان ”رابطہ“ کا کام کرتا رہا اسی لئے لارڈ ایلن بیرو نے بھرے دربار میں اسے ”دونوں مملکتوں کی دوستی کا محافظ قرار دیا تھا۔

فقیر عزیزالدین کے چھ لڑکے تھے جن کو انگریزی سرکار دربار میں خاصہ رسوخ حاصل رہا۔ ان میں سے ایک لڑکے ظہورالدین کو گوجرانوالہ میں پانچسو ایکڑ زمین کے علاوہ پنشن اور انعامات دیئے گئے دوسرے (شمس الدین) کو تحصیل لاہور میں نو سو ایکڑ موروثی جاگیر ملی۔ ظہورالدین کا بڑا لڑکا افتخارالدین لاہور میں دو سو ایکڑ اور لائلپور میں ایک ہزار ایکڑ زمین کا مالک بن گیا۔ فقیر عزیزالدین کے تیسرے بیٹے قمرالدین کو نہ صرف خلعت ملی بلکہ ایجرٹن نے اسے تحصیل لاہور میں سات سو ایکڑ زمین بھی دی جہاں اس نے اپنے دوسرے لڑکے کے نام پر ایک گاؤں جلال آباد بھی آباد کیا۔ اس کے علاوہ ۱۹۰۵ء میں اسے چناب کالونی میں دس مربع زمین ملی۔

باب ۱۶

کالا باغ کے نواب

کالا باغ کئی نسلوں سے اعوان ملکوں کے قبضہ میں ہے۔ یہاں کے پہاڑوں سے نمک نکلتا ہے اور اب لوہا بھی دریافت ہوا ہے۔ قریب ہی دریائے سندھ بہتا ہے جس میں دونوں طرف پچاس پچاس میل تک کشتی رانی ہو سکتی ہے۔ اسی سہولت کے باعث حملہ آور ہمیشہ اس رستہ سے دریائے سندھ کو عبور کر کے پنجاب میں داخل ہوتے رہے ہیں۔ کالا باغ عین اس مقام پر واقع ہے جہاں دریائے سندھ پہاڑوں سے اتر کر میدان میں داخل ہوتا ہے۔

اعوان ملک یہاں سولھویں صدی میں آ کر آباد ہوئے۔ ان کا پہلا پڑاؤ ڈانت کوہ پر تھا جو کالا باغ سے اوپر کی جانب ایک قدرتی قلعہ ہے جب کبھی حملہ کا خطرہ ہوتا لوگ اسی

میں آ کر پناہ لیتے تھے ۔ سب سے پہلے اعوان آباد کار کا نام شیخ عدو تھا ۔ اس کے پوتے بند علی نے نمک کی کانوں پر اپنا قبضہ جما لیا اور پورے علاقے کا سردار بن گیا وہ ملاح بھی تھا اسلئے کشتیوں کے ذریعے جو لوگ دریائے سندھ عبور کرنا چاہتے ان سے کرایہ کے علاوہ نمک کا محصول بھی لیتا ۔ کالا باغ کے شمال میں بھنگی خیل خٹک آباد تھے اس نے ان سے خراج لینا شروع کر دیا ۔ اگرچہ وہ زمانہ بد امنی اور پریشانی کا تھا اور آئے دن حملے ہوتے رہتے تھے ۔ تاہم اعوان ملکوں نے پوری جرأت سے حالات کا مقابلہ کیا اور آخر قرب و جوار کی تمام اراضی پر قابض ہوگئے ۔

انیسویں صدی کے اواخر میں تیمور شاہ نے کالا باغ کے علاقہ میں اعوان ملکوں کی فرمانروائی تسلیم کر لی اور محمد اعظم خاں اعوان کو بارہ سو روپیہ سالانہ دیئے تاکہ وہ دہلی اور کابل کے درمیان رستہ کو پر امن اور محفوظ رکھے ۔

۱۸۲۲ء میں جب سکھوں نے اس علاقہ کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ملک علی یار خاں کو یہاں کی جاگیر بخش دی ۔ وہ مالیہ کے علاوہ مہاراجہ کو دو گھوڑے ، گیارہ اونٹ ، پانچ کتے ، محصول نمک کا دو تہائی اور مسان زمینوں کے مالیہ کا ۲/۵ دیا کرتا تھا ۔ سکھوں کے عہد میں اعوان ملکوں کو بہت فائدہ پہنچا ۔

جب انگریز آئے تو علی یار خاں نے ان کی پوری پوری مدد کی اور ایڈورڈس کو بنوں اور دلیپ گڑھ کی مہمات میں سامان رسد اور گھوڑا سواروں کی کمی نہ آنے دی۔ گھوڑ سواروں کا سردار خود اسکا بیٹا مظفر خاں تھا جو ملک فتح خاں ٹوانے کے دوش بدوش لڑتا رہا لیکن آخر گجرات میں اسے ہتھیار ڈالنے پڑے اور اسے قیدی بنا لیا گیا بعد ازاں پانچ ہزار روپیہ تاوان لے کر اسے رہا کر دیا گیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اعوان ملکوں کا کردار وہی تھا جو دوسرے بڑے زمینداروں نے ادا کیا۔ مظفر خاں اور اسکے بیٹے یار محمد نے ایک سو سپاہی بھرتی کر کے ایڈورڈس کی کمان میں دیدیئے جس نے ان کو پشاور کے دروازوں پر متعین کر دیا۔ مظفر خان کو خان بہادر کا خطاب ملا۔

۱۸۶۳ء میں باپ کی وفات کے بعد مظفر خاں رئیس کالا باغ بن گیا۔ وہ سرحد کی حفاظت پر مامور رہا۔ اس نے جنگ افغانستان میں انگریز کی بڑھ چڑھ کر مدد کی۔ ملک یار محمد خاں بھی اپنے باپ کے دوش بدوش انگریز کا خدمت گزار رہا۔ چنانچہ اسے نہ صرف کالا باغ کی کانوں کے ٹھیکے ملے۔ بلکہ عیسیٰ خیل اور میانوالی کی جاگیریں بھی اس کے حصے آئیں۔ ۱۹۰۷ء میں اسے خان بہادر کا خطاب ملا۔ اس کے بعد ملک عطا محمد خاں خاندان کے سربراہ قرار پائے

ملک امیر محمد خاں رتباز خاں کے صاحبزادے تھے جو خان بہادر مظفر خاں کے بھائی تھے ۔ ملک امیر محمد خاں کو نواب کا خطاب ورثہ میں ملا ۔ وہ مغربی پاکستان کے گورنر بھی رہے ہیں ۔ اُنہوں نے بڑے زمینداروں کی حمایت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا بلکہ جب بھی زرعی ٹیکس کی تجویز پیش ہوتی ملک صاحب ہی اس پر خط تنسیخ کھینچتے تھے ۔

کالا باغ میانوالی میں ہے جس کی بنیاد گکھڑوں نے زمانہ میں میاں علی نام ایک بزرگ نے رکھی تھی ۔ وہ بغداد سے آئے تھے اور یہاں کے پٹھانوں کو اکسایا کہ گکھڑوں کا تختہ اقتدار اُلٹ دیا اُن کے صاحبزادے سلطان ذکریا بھی پیر تھے اور اُن سے کئی کراماتیں منسوب ہیں ۔

۱۸۴۷ء میں سلطان ذکریا کے بیٹوں نے انگریزوں کی امداد کی اور اُسکے صلہ میں اُن کی جاگیر جو پہلے عارضی تھی مستقل ہوگئی ۔ ذکریا کی اولاد میں حسن علی نے ملک فتح خاں ٹوانہ کی ایک ہمشیر سے شادی کر لی اس لئے ٹوانوں کے ساتھ میانوالی کی میاں فیملی سے رشتہ ہے ۔ ان لوگوں نے بھی پیری مریدی کے طفیل اپنی زمینداری کو مستحکم کیا تھا ۔

باب ۱۷

گکھڑ راجے

تاریخ ہند میں جس قبیلہ کا سب سے زیادہ ذکر آتا ہے وہ گکھڑ ہے ۔ وہ سینکڑوں برس تک پنجاب کے پہاڑی اور میدانی علاقوں میں دندناتے رہے ہیں ۔ انہوں نے اعوانوں ، گوجروں ، کھوڑوں اور جنجوعوں سے لڑائیاں لڑیں اوران کے علاقوں پر قبضہ کر لیا ۔ اس کی وجہ اُن کی یک جہتی ہے ۔ وہ آپس میں بھی لڑتے جھگڑتے رہتے تھے لیکن جب کبھی مشترک دشمن سے واسطہ پڑتا تو سب اکٹھا ہو جاتے ۔

گکھڑوں کی ابتدا کے بارے میں اختلاف ہے ۔ اُن کا اپنا بیان یہ ہے کہ وہ ایرانی النسل ہیں ۔ وہ سلطان کیدو کی اولاد ہیں جس نے تبت فتح کیا تھا ۔ اس کی سات پشتیں تبت کی حکمران رہیں ۔ اس کے بعد جب سلطان کاب گدی پر بیٹھا تو

اس نے کشمیر بھی فتح کر لیا جہاں گکھڑوں کی تیرہ پشتیں حکمرانی کرتی رہیں ۔ آخر کشمیریوں نے ان کے خلاف بغاوت کی اور رستم نام بادشاہ کو قتل کر دیا تو اس کا بیٹا بھاگ کر کابل میں سلطان ناصرالدین سبکتگین کے پاس چلا گیا ۔

اس کے برعکس کہا جاتا ہے کہ گکھڑوں نے کشمیر کبھی فتح نہیں کیا ۔ وہ ۳۰۰ء میں خراسان سے آ کر پنجاب میں آباد ہوئے ان کے ایک سردار راجہ ہودی نے سیالکوٹ کے راجپوت سردار راجہ رسالو کی بیٹی سے شادی کر لی ۔ بعض مورخ اس روایت کو بھی صحیح تسلیم نہیں کرتے ۔ بہر حال یہ طے ہے کہ جنجوعوں کی طرح گکھڑ بھی پنجاب کے قدیم باشندوں میں سے ہیں اور اُن کا تاریخ میں ایک کردار ہے ۔

فرشتہ کا بیان ہے کہ گکھڑ ساتویں صدی عیسوی سے پنجاب میں رہتے ہیں انہوں نے افغانوں سے معاہدہ کر کے لاہور کے راجہ کا مقابلہ کیا ۔ گکھڑوں کے اپنے بیان کے مطابق سبکتگین نے کابل خاں کو ملازم رکھ لیا ۔ اس کے دوسرے بیٹے کا نام گکھڑ شاہ تھا ۔ وہ سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ پنجاب میں آیا اور یہاں آ کر اس نے اپنے نام پر ایک قبیلہ کی داغ بیل ڈالی ۔ رفتہ رفتہ اس نے جہلم اور سندھ کا درمیانہ علاقہ فتح کر لیا جس کو ''پوٹھوہانہ'' کہتے ہیں ۔

گکھڑ شاہ کے بھتیجے راجر خاں نے ڈنگلی نام ایک گاؤں

آباد کیا - کہتے ہیں وہاں ڈان نام ایک جن رہتا تھا جو ارد گرد کے علاقے کے لئے وبال جان بنا ہوا تھا - راجر خاں نے اسے ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا - اس غرض کے لئے اس نے ایک پیر کی خدمات مستعار لیں - پیر نے جن کے غار کا منہ اچھی طرح بند کر کے آگ لگا دی لیکن جن ایک سوراخ سے نکل کر غائب ہوگیا - اسی جن کے نام پر یہ گاؤں ڈان گلی آباد ہے -

راجر خاں کے بعد صفر خاں اور صفر خاں کے بعد ننگ خان گکھڑوں کا سردار مقرر ہوا اس نے فدائی خاں کھوکھر سے مل کر سلطان محمود غوری کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا جس نے اپنے جرنیل قطب‌الدین ایبک کو گکھڑوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا تھا - گکھڑوں نے اس وقت پورے پنجاب میں آدہم مچا رکھا تھا اور ان کے قتل و غارت کا سلسلہ لاہور تک وسیع تھا - تاہم ایبک کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے ایبک ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ گکھڑوں کا قتل عام کیا جائے کہ ننگ خان نے سلطان محمد غوری کو موت کے گھاٹ اتارنے کا فیصلہ کر لیا - سلطان واپسی کے وقت دریائے سندھ کے کنارے خیمہ زن تھا - رات بہت گرم تھی اس لئے ہوا کے لئے خیموں کی قناتیں اٹھا دی گئی تھیں - چند گکھڑ دریا پار کر کے آئے - پہرے دار نے دیکھا تو خطرے کی آواز نکالی - لیکن اس سے پہلے کہ بچاؤ کا کوئی انتظام ہوتا گکھڑ

شاہی خیمہ میں داخل ہوگئے اور سلطان کو اوپر نیچے بائیس وار کر کے خنجر سے ہلاک کر دیا۔ سلطان تو نہ بچ سکا لیکن حملہ آوروں کو اسی وقت ایذائیں دے دے کر ہلاک کر دیا گیا۔

منگ خان کے بعد لوہار خاں گکھڑوں کا سردار بنا۔ اس کے زمانے میں ناصرالدین محمود نے پوٹھوار پر حملہ کیا اور کئی ہزار گکھڑوں کو غلام بنا کر لے گیا۔ ان کا قصور یہ تھا کہ انہوں نے ۱۲۴۱ء میں مغلوں کی مدد کی تھی۔ لوہار خاں کے بھتیجے نے رہتاس میں اپنا ایک علیحدہ قلعہ تعمیر کیا۔ اس خاندان کے افراد اب بھی رہتاس اور ڈومیلی میں آباد ہیں۔ جب تیمور نے حملہ کیا تو گکھڑوں کا سردار گل محمد تھا اس کی اولاد میں سے ایک شخص جسرت خان نے کشمیر پر حملہ کیا اور علی شاہ کو پکڑ کر قید کر لیا۔ اس کے بعد اس نے جالندھر پر قبضہ کیا اور دہلی کی طرف بڑھا۔ ابھی وہ لدہانہ پہنچا تھا کہ شاہی فوجوں نے اسے مار بھگایا۔ وہ راولپنڈی چلا آیا اور یہاں سے اس نے یکے بعد دیگرے لاہور اور جموں پر حملے کئے۔ اس نے جموں کے راجہ رائے بھیم کو شکست دے کر مار ڈالا۔ جب بابر نے حملہ کیا تو گکھڑوں کا سردار ہتی خاں تھا۔ ہتی خاں نے بڑی مشکل سے گکھڑوں کے گڑھ ''پھاڑ والا'' پر قبضہ کر

لیا لیکن ایک رستہ سے بابر کی فوجیں داخل ہوئیں تو دوسرے سے ہتی خاں بھاگ نکلا - تاہم اُس کے بھائی سارنگ خان نے بابر کی اطاعت قبول کر لی -

بابر نے اپنی توزک میں گکھڑوں کا ذکر کیا ہے - اس نے جنجوعوں پر چڑھائی کر کے ان کا بے دریغ خون بہایا تھا -

گکھڑوں نے دہلی جا کر بابر کو سلامی بھی دی - جس کے نتیجہ میں پوٹھوہار کا علاقہ بدستور ان کے پاس رہنے دیا گیا -

۱۵۴۱ء میں شیر شاہ نے ہمایوں کو ہندوستان سے نکالنے کے بعد رہتاس کا مشہور قلعہ بنایا - جہاں اُس نے جنرل خواص خاں کو بارہ ہزار کی فوج دے کر پہرہ بٹھا دیا تاکہ ہمایوں دوبارہ نہ آ سکے - لیکن گکھڑوں کے سردار سارنگ خاں کو بابر کا احسان ابھی تک یاد تھا - وہ رہتاس پر گاہے گاہے حملے کر کے شیر شاہ کی فوج کو ہراساں کرتا رہا - شیرشاہ کے بعد اُس کے بیٹے سلیم شاہ نے گکھڑوں کو سزا دینے کا فیصلہ کر لیا - سارنگ خاں نے مجبور ہو کر پناہ مانگی - لیکن سلیم شاہ نے اُسکے بیٹے کو زنجیروں سے جکڑ کر قید خانے بھجوا دیا - ۱۵۵۰ء میں ہمایوں کے بھائی کامران نے گکھڑوں کے پاس آ کر پناہ لی - پہلی دفعہ تو گکھڑوں نے اُسکی آؤ بھگت کی - لیکن دوسری مرتبہ جب وہ سلیم شاہ کے ساوک

سے نالاں ہو کر پھر آیا تو سارنگ کے بھائی آدم خاں نے قبیلہ کی روایات کے صریح خلاف اُسے پکڑ کر ہمایوں کے حوالے کر دیا ۔ ہمایوں نے اُس کی آنکھیں نکال لیں اور اُس کے بعد خود ہندوستان پر حملہ آور ہوا ۔ جب وہ فاتحانہ شان سے دہلی میں داخل ہو رہا تھا تو اس کے ساتھ گکھڑوں کا سردار بھی تھا ۔ اسے غداری کا صلہ مل گیا تھا ۔

احمد شاہ ابدالی کی آمد تک گکھڑ چناب سے سندھ تک وسیع علاقے پر قابض ہو چکے تھے ۔ اُن کی طاقت صرف بھنگی سرداروں نے آ کر توڑ دی ۔ ان کا ایک ایک علاقہ چھین لیا گیا اور ان کے افراد کو دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر دیا گیا ۔ تاہم انگریز کی آمد پر ایک گکھڑ راجہ حیات اللہ خان کو جب کیپٹن ایبٹ نے سکھوں کی قید سے رہا کرایا تو اس نے انگریز کی تن من دھن سے خدمت کی ۔ راجہ حیات اللہ نے ہزارہ اور ملتان کی لڑائیوں میں حصہ لیا اور جب ڈھنڈ قبیلہ نے کوہ مری میں گوروں پر حملہ کیا تو یہی شخص انگریز کی طرف سے پیش پیش تھا ۔ اس کے صلہ میں اسے روالپنڈی کے گکھڑوں کا سردار تسلیم کر لیا گیا اور اسے پنشن بھی دی گئی ۔ گکھڑوں کی سلطنت اب ختم ہو چکی ہے ۔ تاہم اس کے آثار پھاڑ والہ میں اب بھی موجود ہیں ۔ اس کے افراد نے انگریز سے گراں قدر انعام پایا ۔ روالپنڈی کے کئی دیہات میں ان کو دوامی جاگیریں ملی ہوئی ہیں ۔

باب ۱۸

گوجرانوالہ کے چٹھے

چودھری محمد حسین چٹھہ نے میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ کے ساتھ مل کر پنجاب کی سیاست میں جو حصہ لیا اس سے تاریخ کے طالب علم بے خبر نہیں ہیں - چٹھے زیادہ تر گوجرانوالہ کے ضلع میں حافظ آباد اور وزیر آباد کے پرگنوں میں آباد ہیں - اُن کا مورث اعلی ایک ہندو راجپوت چوہان گگو تھا جس نے ۱۶۰۰ء کے لگ بھگ اسلام قبول کیا - چٹھوں نے دریائے چناب کے کنارے بہت سے دیہات آباد کئے جن میں منچر ، بنگلی اور پنڈوردیاں مشہور ہیں - ان کے علاوہ احمد نگر، رسول نگر اور کئی قلعے بھی انہوں نے آباد کئے تھے جن میں سے بعض کے نام سکھوں نے بدل دیئے - گگو کی اولاد میں سے نور محمد (۱۷۴۰ء) نے کافی طاقت پکڑ لی - اس لئے ملتان کے سرداروں کے

علاوہ جموں کے راجہ رنجیت دیو نے بھی اس سے یارانہ گانٹھ لیا۔ جب نور محمد بوڑھا ہو گیا تو اس کے بیٹے احمد خان نے چٹھوں کو اپنے ارد گرد جمع کر لیا اور قرب و جوار کے علاقوں میں مار دھاڑ شروع کر دی۔ اس کی سب سے زیادہ دشمنی گوجرانوالہ کے سکرچاکیہ خاندان سے تھی۔ کیونکہ وہ بھی بڑی بڑی زمینوں پر قبضہ جمانے میں مصروف تھا۔ سردار چڑت سنگھ کے زمانہ میں چٹھوں کو عروج پانے کا موقع ملا۔ اس نے گوجرانوالہ میں بھنگیوں کی توپ گاڑ رکھی تھی۔ احمد خاں نے اس پر قبضہ جما لیا اس کے بعد احمد خاں کی اپنے بھائی پیر محمد سے ٹھن گئی۔ دونوں کی لڑائی ہوئی جس میں احمد خاں کے دو بیٹے اور بھتیجا مارا گیا۔ پیر محمد نے گوجر سنگھ اور صاحب سنگھ بھنگی دو سکھ سرداروں کو اپنے ساتھ ملا کر احمد خاں کو پکڑ لیا اور تب تک بھوکا پیاسا قید میں رکھا جب تک اُسنے بھنگیوں کی توپ واپس نہ کر دی۔

جب احمد شاہ درانی نے پنجاب پر حملہ کیا تو اُس نے چٹھوں کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا اور جس گاؤں پر اُس کا فرستادہ میر منو بھی زبردستی قبضہ نہ کر سکا اسے لے کر چٹھوں کو پھر واپس کر دیا۔ چٹھوں کا دشمن سردار چڑت سنگھ ۱۷۷۴ء میں مر گیا جس کے بعد نور محمد اور پیر محمد بھی راہی عدم ہو گئے۔

لیکن قبائلی سرداروں کی باہمی دشمنی اور رقابت ختم نہ ہوئی ۔ بلکہ اُن کی اولاد سالہا سال تک ایک دوسرے سے برسر پیکار رہی ۔ کبھی چٹھے جیت جاتے اور کبھی چرت سنگھ کے وارث ۔ ۱۷۹۰ء میں ایک سردار ماہن سنگھ نے چٹھوں کے گاؤں منچر کا محاصرہ کر لیا جو چھ ماہ تک جاری رہا ۔ اس اثناء میں کئی سکھ مارے گئے ۔ اُن دنوں چٹھوں کا سردار غلام محمد تھا ۔ اس کے چچا حشمت خان نے محاصرہ کو توڑنے کے لئے آخری حربہ استعمال کرنے کا فیصلہ کیا ۔ وہ خود ہاتھی پر چڑھ کر سکھوں پر حملہ آور ہوا ۔ اور قریب تھا کہ ماہن سنگھ کے بیٹے رنجیت سنگھ کو قتل کر دیتا کہ اچانک اس کے ہمراہیوں نے اُسے کھینچ کر ہاتھی سے اُتار لیا ۔ جب غلام محمد نے دیکھا کہ اب قلعہ کا بچنا ناممکن ہے تو اس نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیئے کہ مجھے حج پر جانے دیا جائے ۔ ماہن سنگھ مان گیا لیکن جونہی اُس نے ہتھیار پھینکے سکھ سرداروں نے اسے مار ڈالا اور چٹھوں کے گاؤں کو لوٹ لیا ۔ اس کے علاوہ بے شمار علاقے پر قبضہ کر لیا ۔ اس موضوع پر پنجابی میں ایک رزمیہ نظم ”چٹھیاں دی وار“ بھی ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے ۔

غلام محمد کا بیٹا جان محمد بھاگ کر کابل چلا گیا اور شاہ زمان خان کو ساتھ لے کر آیا جس نے پورا علاقہ فتح

کر کے اسکے حوالے کر دیا ۔ لیکن جونہی شاہ زمان کی واپسی ہوئی رنجیت سنگھ نے رسول نگر پر حملہ کر دیا ۔ وہ چاہتا تھا کہ چٹھوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے ۔ چٹھے بے جگری سے لڑے لیکن سکھ فوج کے سامنے اُن کی کچھ پیش نہ گئی ۔ کہتے ہیں کہ پیروں اور ولیوں نے بھی اس موقع پر چٹھوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا ۔ چٹھوں نے اپنے گاؤں کے ایک پیر کو دعا کے لئے کہا تو اُسنے جواب دیا ۔ ''تمہاری امداد میرے اختیار سے باہر ہے ۔ پیران پیر (شیخ عبدالقادر جیلانی رح) خود سبز چولہ پہن کر سکھوں کے شانہ بشانہ تمہارے خلاف لڑ رہے ہیں ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جان محمد کو توپ کا ایک گولہ لگا اور اُس کے مرتے ہی قلعہ کے دروازے سکھوں کے لئے کھل گئے ۔

رنجیت سنگھ نے جان محمد کے ورثا کو کچھ جاگیر دی اور اُن کو اپنی فوج میں بھرتی کر لیا ۔ جب انگریز آئے تو چٹھے اُن کے ساتھ جا ملے ۔ اُن کے سردار کرم الٰہی کو انعام میں معافی (نوے روپے سالانہ) بارہ سو گھماؤں اراضی اور لائل پور کے بعض مکانوں اور دکانوں کی ملکیت ملی جس سے پانچ ہزار دو سو روپیہ سالانہ آمدنی ہوتی تھی ۔ اسکے علاوہ چٹھہ خاندان کے افراد کو عہدے اور منصب عطا کئے گئے ۔ اسوقت جو چٹھے جاگیروں اور زمینداریوں کے وارث ہیں ، وہ

جان بخش نام ایک معمولی چوہدری کی اولاد میں سے ہیں
جان بخش ایک رسہ گیر تھا جو مال مویشی اُٹھا کر لے جاتا
تھا ۔ وہ اپنے دشمن سردار ماہن سنگھ کے ہاتھوں ۱۷۹۴ء میں
مارا گیا تھا ۔ اُس کے گاؤں کا نام گاجر گولہ تھا جس پر سکھوں
نے حملہ کر کے اُس کی ساری دولت لوٹ لی ۔ جان بخش کی
اولاد بھاگ کر پنڈی بھٹیاں چلی گئی تھی ۔ جب رنجیت سنگھ
تخت پر بیٹھا تو جان بخش کے بیٹے اور پوتے اُسکی خدمت میں
حاضر ہوئے اور اُس سے بارہ ہزار روپے کی ایک جاگیر پائی ۔
جان بخش کے بیٹے خدا بخش نے سکھوں کے ساتھ مل کر
قصور ، ملتان ، منکیرا ، کشمیر اور پشاور کی لڑائیوں میں بھی
حصہ لیا ۔ تیری کی جنگ میں زخمی ہونے کے باوجود اُسنے
ایک ہی وار میں ایک افغان کا سر اُڑا دیا ۔ جنگ آزادی
۱۸۵۷ء کے زمانہ میں چٹھے انگریز کے وفا دار رہے ۔
خدا بخش کے دو پوتوں کو تھانیدار بنا دیا گیا ۔ خود اُسے
ڈیڑھ ہزار روپیہ کی پنشن ملی ۔ اُسکے بعد چٹھوں کو
گوجرانوالہ کے قریب و جوار میں دو ہزار سات سو ایکڑ اراضی
دے دی گئی ۔

باب ۱۹

جھنگ کے سیال

جھنگ کے سیالوں کا قبیلہ بہت پرانا ہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں اُن کو عروج حاصل ہوا۔ وہ دریائے چناب کے کنارے آباد ہیں۔ اُن کا مورث اعلیٰ بھی رائے شنکر نام ایک راجپوت تھا۔ جو تیرھویں صدی میں الہ آباد اور فتح پور کے درمیانہ علاقہ سے آ کر یہاں آباد ہوا۔ اُس زمانہ میں مغل جگہ جگہ ہندوؤں کی سرکوبی کر رہے تھے۔ اسلئے کئی راجپوت چھپ چھپا کر پنجاب کے دریاؤں کے آس پاس آ کر پناہ گزین ہو گئے۔ ان میں سے سیال، ٹوانے، گھیبے اور کھرل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بعد میں ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور وسیع اراضی پر قابض ہو کر یہیں رہنے سہنے لگے۔ سیالوں کو پاکپٹن بہت پسند آیا جو

اُس زمانہ میں ''اجودھیا،، کہلاتا تھا - یہاں بابا فریدالدین شکر گنج کا دربار تھا - رائے شنکر کے لڑکے سیال نے جب اُن کی اثر انگیز باتیں سنیں تو فوراً مسلمان ہوگیا - اسکے بعد وہ شاہ پور کے ضلع میں ساہیوال کے مقام پر آیا جہاں اُسنے بھاؤ خاں کی لڑکی سہاگ سے شادی کر لی جس سے تین بیٹے ہوئے - بھربی ، کوہلی اور مہانی - اُن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی سیال خاندان کا مورث اعلیٰ ہے - کوہلی اپنا خاندان لے کر کوہستان اور کاچھی میں آباد ہوگیا - یہاں اُسکی کئی نسلیں بھیڑ بکریاں چراتی رہیں - سیال کے پڑپوتے ملی خاں نے چناب کے کنارے جھنگ سیال کی بنیاد رکھی - چار سال بعد مغل بادشاہ نے اُسے دہلی طلب کیا اور یہی علاقہ اُسے لیہ کے عوض دے دیا - اُسکی اولاد نے رفتہ رفتہ قریب و جوار کا علاقہ بھی اپنے قبضہ میں لے لیا اور بنجر علاقے میں کھیتی باڑی کرنے لگے - دہلی کی حکومت نے ایک سیال ولی داد خاں کو چنیوٹ کا قلعہ بھی دے دیا - اُسنے شور کوٹ ، کھیوہ ، میرک اور کوٹ کمالیہ سے مالیہ وصول کرنا شروع کر دیا اور اس طرح اُسکی عملداری چناب سے راوی تک وسیع ہوگئی - اُسکے بعد یہ جاگیر اُسکے بھتیجوں کے ہاتھ آئی جو آپس میں جھگڑا فساد کرتے رہے - ان میں سے عنایت اللہ بہادر تھا - اُس نے ملتان کے رؤسا اور بھنگی سرداروں کو جھنگ سے

بھگانے کے لئے کم و بیش بیس لڑائیاں لڑیں تاہم اس وقت تک سکھ عروج پکڑ چکے تھے - چنیوٹ کو ایک بھنگی سردار کرم سنگھ نے فتح کر لیا - مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس پر چڑھائی کر کے قلعہ واپس لے لیا - ان کے بعد مہاراجہ نے جھنگ پر حملہ کیا لیکن سیالوں کے سربراہ احمد خاں نے اسے ساٹھ ہزار سالانہ کی پیشکش کر کے جان چھڑالی - تین سال بعد مہاراجہ نے جھنگ پر پھر حملہ کیا اور قلعہ پر قبضہ کر لیا - احمد خاں بھاگ گیا مہاراجہ نے یہ ضلع سردار فتح سنگھ کلیانوالہ کو ساٹھ ہزار روپے سالانہ کے عوض دے دیا - تاہم احمد خاں جلد ہی نواب ملتان مظفر خاں سے امداد لے کر واپس آیا اور قلعہ دوبارہ فتح کر لیا - مہاراجہ رنجیت سنگھ چونکہ مہات میں مصروف تھا اس لئے پہلے تو اس نے احمد خاں کو اس علاقہ کا حاکم تسلیم کر لیا - لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ وہ مظفر خاں کی حمایت کر رہا ہے تو وہ احمد خاں کو گرفتار کر کے لاہور لے آیا - یہاں اس نے احمد خاں سے صلح کر لی اور نہ صرف اس کی جاگیر بحال کی بلکہ مزید جاگیریں عطا کیں -

جھنگ کے سیالوں نے انگریزوں کی خدمت کر کے انعام و اکرام بھی پایا - چنانچہ ان میں سے محمد اسماعیل خاں کو نہ صرف جھنگ کے پولیس سواروں کا رسالدار بنایا گیا بلکہ

جنگ آزادی کی گورا فوج کی امداد کے عوض اُسے جاگیر، پنشن اور خلعت سے بھی نوازا گیا۔ بعد میں رابرٹ ایجرٹن کی سفارش پر جاگیر میں اضافہ کر دیا گیا اور اسماعیل خاں کو میونسپلٹی اور صوبائی دربار میں عہدے بھی دیئے گئے۔ اس خاندان کے پاس جاگیر کے علاوہ بیس دیہات کی زمین کے مالکانہ حقوق تھے۔ سیالوں کی شاخ ملتان کی تحصیل کبیر والہ میں بھی آباد ہے اور اُس کے افراد خطابوں اور عہدوں سے مالا مال ہیں۔

باب ۲۰

کھرل خاندان

جھنگ کے سیالوں کی رشتہ داری کمالیہ کے کھرلوں کے ساتھ ہے۔ کھرل اپنا شجرۂ نسب چندر بنسی خاندان کے راجہ کرم کے ساتھ ملاتے ہیں جو ہستناپور کا راجہ تھا۔ کھرل زیادہ تر ساہیوال (منٹگمری) کے دلدلوں والے جنگلات میں آباد ہیں۔ ان میں سے بعض جھنگ، لاہور اور شیخوپورہ میں بھی رہتے ہیں۔ جہاں تیس چالیس دیہات کی ملکیت ان کے پاس رہی ہے۔ انگریز کی نگاہ میں کھرل ایک جرائم پیشہ قبیلہ تھا۔ جس کا کام قتل و غارت اور مار دھاڑ کے سوا کچھ نہ تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد کھرل مجاہدین کی صف میں شامل ہو گئے جن کو ہندو اقتدار ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ دیوان ساون مل اور سکھوں نے ان کے مجاہدانہ جوش و خروش

کو ٹھنڈا کر کے رکھ دیا ۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انہوں نے انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا ۔ لیکن گورا فوج کی وحشت و بربریت کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ جا سکی ۔

کھرل خاندان کا سربراہ کمال خاں تھا ۔ جس نے سولھویں صدی میں جھنگ سے چالیس میل جانب جنوب کوٹ کمالیہ آباد کیا ۔ یہاں سیال بھی رہتے تھے ۔ کھرلوں کا دعویٰ تھا کہ سیال راجپوتوں کی طرف سے ان کے عزیز ہیں ۔ اس کے باوجود دونوں قبائل کی آپس میں سر پھٹول ہوتی رہتی تھی ایک دفعہ دہلی کا کوئی شہزادہ راستہ بھول کر اُدھر جا نکلا۔ اس وقت کمال خان کا چوتھا وارث سعادت یار خاں کمالیہ کا سردار تھا ۔ شہزادہ اس کی شخصیت سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے زور دے کر کھرلوں اور سیالوں کی آپس میں صلح کرا دی اور یہ تجویز پیش کی کہ جھنگ سیال کا آٹھواں سردار غازی خاں اپنی بیٹی کی شادی سعادت خاں سے کر دے ۔ اس پر جھنگ کے سردار برافروختہ ہو گئے اور انہوں نے شہزادے کو قتل کردیا ۔ تاہم بعد میں شہزادے کے ساتھیوں نے بھی سردار کو موت کے گھاٹ اتار دیا ۔

مرزا بھی کھرل خاندان کا چشم و چراغ تھا ۔ مرزا اس اس قبیلہ کی شاہی شاخ سے تعلق رکھتا تھا ۔ اسے اپنی ایک

خالہ زاد صاحباں سے محبت ہو گئی۔ وہ بھی مرزا پر جان چھڑکنے لگی۔ تاہم صاحباں ایک شخص خان زاد سے منسوب ہو چکی تھی۔ اس کے والدین نے دونوں کی شادی رچائی تو عین جس وقت بارات آئی مرزا نے صاحباں کو اغوا کر لیا اور اسے اپنی کوتل گھوڑی پر بٹھا کر دھن آباد کی جانب فرار ہو گیا۔ کھرل خاندان کے افراد نے اس کا پیچھا کیا۔ اور آخر اسے اپنے اڈے پر پہنچنے سے پہلے ہی جا لیا مرزا نے بڑی شجاعت سے مقابلہ کیا۔ لیکن اتنے افراد کے سامنے اس کی کچھ پیش نہ جا سکی اور وہ جان سے مارا گیا۔ خان زاد نے بہتیری کوشش کی کہ کسی طرح صاحباں کی جان بچ جائے لیکن کھرلوں نے اسے اپنے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ سمجھا اور اس کا بھی گلا گھونٹ ڈالا۔ اس کے بعد کھرلوں میں لڑکی کی پیدائش کو منحوس سمجھا جانے لگا۔ چنانچہ جب بھی کسی کھرل کے یہاں لڑکی پیدا ہوتی اس کا گلا گھونٹ دیا جاتا تھا۔ آخر ملتان کے ایک انگریز کمشنر کرنل ہملٹن کے سمجھانے بجھانے پر کھرلوں نے اس رسم کو ترک کر دیا۔

جھنگ کے غازی خاں کے لڑکے لال خاں کو سعادت یار خاں سے بھی اتنی چڑ تھی جتنی اس کے والد سے۔ کمالیہ کا سردار اسے ”طوائف زادہ“ کہا کرتا تھا۔ ایک دفعہ طیش میں آ کر اس نے سیالوں کو اکٹھا کیا اور کمالیہ پر ہلہ بول

دیا - ''باہر نکل اوئے -،، لال خاں نے گاؤں کے پاس پہنچ کر آواز دی - ''آ تینوں رنڈی دے پتر دا ناچ دکھاواں،، لیکن سعادت خاں دم سادھ کر بیٹھا رہا - لال خاں نے گاؤں میں لوٹ مار مچائی اور بڑھکیں مارتا ہوا واپس چلا آیا -

۱۷۹۸ء میں جب شاہ زماں نے پنجاب پر حملہ کیا اور سکھوں میں بھاگڑ مچ گئی تو حاکم ملتان مظفر خان نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے کہالیہ پر حملہ کر دیا - اور سکھوں کو مار بھگایا - تاہم ۱۸۰۳ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس جاگیر کو لاہور کے ساتھ ملا لیا اور اس وقت کے رئیس سعادت یار خان کو چالیس دیہات کے مالکانہ حقوق بخش دئے - سکھ برابر اس جاگیر کی سرپرستی کرتے رہے- بلکہ کچھ نئے دیہات کا بھی اس میں اضافہ کیا -

۱۸۵۷ء میں جہاں تمام لوگوں نے انگریز کے خلاف علم جہاد بلند کیا ان کے ایک سردار سرفراز خان نے انگریز کی اطاعت و وفاداری کو اپنا شعار بنایا ، جس کے صلہ میں اسے ۵۲۵ روپے کی جاگیر اور ۵۰۰ روپے کی خلعت ملی - یہی شخص تھا جس نے راتوں رات کیپٹن الفنسٹن کے گھر پہنچ کر آدھا گھنٹہ پہلے مخبری کی کہ کھرل اس پر حملہ کرنے والے ہیں - جس پر اس نے اپنی حفاظت کے لئے لاہور سے بر وقت امداد طلب کر لی -

سرفراز خان کی تمام جائیداد اس کے مرنے تک خورد برد ہو چکی تھی ۔ تاہم انگریز نے اپنے اطاعت شعار ملازم کے فرزند امیر علی خاں کو بھوکوں نہ مرنے دیا ۔ اور اسے نہ صرف ایک لاکھ روپیہ نقد دے کر تمام جائیداد واگزار کی ، بلکہ اسے ملتان اور لائل پور کے دو دیہات اور منٹگمری کے ۳۸ دیہات کے تعلقداری حقوق عطا کئے ۔ اس کے علاوہ لائل پور کے ۴۶ دیہات اور منٹگمری کے دس دیہات کے مالکانہ حقوق دئے اور چناب کالونی میں ساڑھے سولہ مربعوں کے علاوہ کمالیہ کی اکثر عمارتوں اور زمینوں پر اس کی ملکیت تسلیم کر لی۔ کمالیہ کی جاگیر میں منٹگمری کے پانچ اور لائلپور کا ایک گاؤں بھی شامل ہے ۔ منٹگمری کے اور لائلپور کے دو دیہات کی نمبرداری بھی سیالوں کے پاس ہے ۔ ۱۸۷۲ء میں امیر علی خان اور جہان خان میں ذیل داری کے سوال پر جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا ۔ تاہم اسے جلد ہی چکا دیا گیا ۔ گو اس کے بعد بھی خاندان کے ان دونوں افراد کی آپس میں بول چال بند رہی ۔ جہان خان کا لڑکا ۱۸۹۷ء تک اپنے گاؤں کمالیہ میں رہتا رہا ۔ وہ بے حد کنجوس تھا اور اس نے بے شمار دولت جمع کر رکھی تھی ۔ اس کا لڑکا شہزاد خان لائلپور میں چلا آیا ، جہاں وہ کئی مربعوں کا مالک اور نمبردار رہا ہے ۔ اب بھی بے شمار دیہات میں کھرل خاندان کی سیادت قائم ہے اور اس کے افراد کا شمار رؤسا جاگیرداروں اور بڑے زمینداروں میں ہوتا ہے ۔

باب ۲۱

ملتان کے مخدوم قریشی

انگریز نے اس سر زمین پر قدم رکھا تو ہمارے علماء دو طبقوں میں بٹ گئے ۔ ایک طبقہ نے اسے "کافر" اور "دجال" قرار دے کر علم جہاد بلند کر دیا ۔ دوسرے نے اس کی خدمت و خوشامد کو اپنا شعار بنایا ۔ پہلے طبقے کو اپنے عقائد کی سزا بھگتنا پڑی ۔ انگریز نے اس کے رہنماؤں کو توپوں کے منہ سے باندھ کر آڑا دیا ۔ دوسرا طبقہ فائدہ میں رہا ۔ اس نے دین فروشی کے عوض بڑی بڑی زمینیں اور جاگیریں انعام میں پائیں ۔ گورمانیوں اور گیلانیوں کی طرح ملتان کے مخدوم قریشیوں کا شمار اسی طبقہ مین ہوتا ہے ۔

مخدوم قریشیوں کے بزرگ شیخ بہاؤالدین تھے جن کے علم و عرفان کے مداح تمام مسلمان ہیں اور جن کے مریدوں

کا سلسلہ بھی بہت وسیع ہے - وہ تحصیل لیہ میں کوٹ کھروڑ کے مقام پر ۱۱۷۰ء میں پیدا ہوئے - شجرہ نسب کے لحاظ سے وہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے چچا اسد کی اولاد میں سے تھے - ان کے مورث سلطان حسین ہندوستان میں سلطان محمود غزنوی کے ساتھ آئے - اور لیہ میں جا کر آباد ہو گئے - شیخ بہاؤالدین بچپن ہی سے درویشانہ مزاج رکھتے تھے - وہ گھر بار چھوڑ کر خراسان چلے گئے - جہاں انہوں نے شہاب الدین سہروردی کی شاگردی اختیار کی - اس کے بعد وہ اسلامی ممالک کی سیاحت کرتے رہے - آخر ۱۲۲۲ء میں واپس ہندوستان پہنچے اور ملتان جا کو آباد ہو گئے -

شیخ بہاؤالدین کے علم و فضیلت کی شہرت دور دور تک پھیلی تو شمس تبریز بھی اُدھر آ نکلے - جب شیخ کو پتہ چلا تو اُنہوں نے دودھ کا ایک لبالب پیالہ شمس تبریز کو بھیجا - جس سے اشارا یہ مقصود تھا کہ ملتان میں اب کسی اور فقیر یا درویش کی گنجائش نہیں ہے - شمس تبریز نے دودھ پر ایک پھول رکھ کر پیالہ واپس کر دیا - مطلب یہ تھا کہ نہ صرف گنجائش موجود ہے - بلکہ نووارد کی خوشبو شیخ سے بھی زیادہ پھیلے گی - اس پر شیخ برافروختہ ہو گئے - انہوں نے حکم دیا کہ ملتان کا کوئی شہری شمس تبریز سے تعاون نہ کرے - شمس تبریز خود تو

بے نیاز تھے لیکن ان کے ہمراہی کو بھوک لگی تو اس نے شور مچایا ۔ اس پر شمس نے جنگل کی بکریوں کو آواز دی وہ دوڑتی ہوئی آئیں اور دودھ کے لئے اپنے تھن پیش کر دیئے ۔ شمس تبریز نے ان میں سے ایک بکری کو ذبحہ کیا ۔ اور اپنے نوجوان رفیق کو شہر بھیجا کہ کسی سے آگ لے آئے تا کہ گوشت پکایا جائے ۔ لیکن شہر میں کوئی شخص بھی شمس تبریز یا اس کے ہمراہی سے بات کرنے کو تیار نہ تھا ۔ ایک دوکاندار نے اس کے منہ پر دودھ کا برتن دے مارا وہ روتا ہوا اپنے پیر کے پاس پہنچا ۔ شمس تبریز نے بلند آواز سے کہا ۔

"اے شمس (سورج) تو ہی قریب آ کہ میں تیری حرارت سے کھانا پکاؤں ۔ یہاں کے لوگ تو مجھے کھانے سے بھی محروم رکھنا چاہتے ہیں" کہتے ہیں اس پر سورج قریب آ گیا ۔ لیکن کھانا تیار ہونے کے بعد بھی ملتان کی فضا میں ٹھہرا رہا ۔ یہی وجہ ہے کہ ملتان میں وہ باقی مقامات کی بہ نسبت ایک نیزہ نیچے ہے ۔

کہتے ہیں اس واقعہ کے بعد شیخ بہاؤالدین تقریباً ایک سو برس تک ملتان میں مقیم رہے اور رشد و ہدایت کی روشنی پھیلاتے رہے ۔ ان کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے ۔

سکھوں کے زمانہ تک اس مزار کے نام پر جو جاگیرداری

رہی وہ ضائع ہو چکی تھی - مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۸۱۸ء میں ملتان فتح کیا تو مرزا کے نام ساڑھے تین ہزار کا وظیفہ لگا دیا - انگریزوں نے پنجاب کا الحاق کیا تو سجادہ نشین کی جاگیر اور وظیفہ میں بھی اضافہ کر دیا - ۱۸۵۵ء کی جنگ میں اس خانقاہ کے جانشین مخدوم شاہ محمود نے انگریز کو خفیہ اطلاعات بہم پہنچائیں - گھوڑ سوار مہیا کئے اور اپنے مریدوں کو منع کیا کہ مجاہدین کا ساتھ نہ دیں - انگریز اس سے بہت خوش ہوا - اس نے شاہ محمود کو تین ہزار نقد انعام کے علاوہ ۱۷۸۰ روپے کی جاگیر اور آٹھ کنویں دئے - جب وائسرائے لاہور آیا تو اسے بھنگیاں والہ باغ بھی بخش دیا گیا - شاہ محمود کی وفات کے بعد اس کی اولاد کو بھی بے شمار جاگیروں ، زمینوں ، انعاموں اور خطابوں سے نوازا گیا - اس خاندان کے بہت سے افراد بڑے بڑے عہدوں پر بھی متمکن کئے گئے -

مخدوم قریشیوں کی ایک شاخ غوث پور میں آباد ہو گئی - جہاں سے اس کے بعض افراد دھونکل (گوجرانوالہ) میں چلے گئے -

باب ۲۲

نمک سار کے جنجوعے

پنجاب کی زرخیز اراضی پر جس قبیلہ نے سب سے پہلے قبضہ کیا وہ جنجوعہ کہلاتا ہے۔ جنجوعے اڑھائی ہزار برس قبل مسیح سے ملتان اور جہلم کے درمیان آباد ہیں۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ راجپوت آباد کاروں کی تین نسلیں یکے بعد دیگرے پنجاب میں داخل ہوئیں۔ ایک یسوع مسیح سے قریبا اڑھائی ہزار برس پہلے جس کی یاد گار کٹوچ اور چمبہ کے راجے اور جالندہر کی پہاڑیوں کے سردار ہیں۔ یہ لوگ کسی زمانے میں دوآبہ باری اور رچنا پر حکومت کرتے تھے۔ دوسری نسل تقریباً ایک ہزار سال بعد آئی۔ اس قبیلہ کا سردار ہستناپور کے راجہ کا بیٹا تھا۔ اس نے جہلم کے شمال میں ایک خانوادے کی بیناد رکھی جو راولپنڈی سے ملتان تک حکومت کرتا رہا۔

آخر میں دکن کے راجپوت آئے جن کی اولاد جاٹ ، ٹوانے ، سیال ، گھیبے اور کھوکھر وغیرہ کہلاتی ہے -

ان میں سے جنجوعے ہستنا پور کے راجپوتوں کی اولاد بتائے جاتے ہیں - انہوں نے اپنی پہلی بستی دریائے جہلم کے شمال میں "نمک سار" پر بنائی جو اب بھی "جودھ پہاڑی" کہلاتی ہے - اسی کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ جنجوعے یدھ یا جودھ راجپوتوں کی نسل میں سے ہیں - بعض لوگ جنجوعوں کا رشتہ جویا اور جودھی راجپوتوں سے جا ملاتے ہیں - لیکن بیکانیر کے جویا راجپوتوں کی عادت و خصائل جنجوعوں میں منعقود ہیں -

بہرحال جنجوعوں کے متعلق تاریخی شہادت یہ ہے کہ وہ راجپوتوں کی قدیم ترین نسل سے تعلق رکھتے ہیں - اس کے برعکس خود جنجوعوں کی تحقیق یہ ہے کہ وہ ایک پانڈو راجہ مل کی اولاد ہیں اور پنجاب میں ۹۸۰ء کے لگ بھگ آئے تھے - ان کا ابتدائی وطن جودھ پور یا قنوج ہے - جن پر اسی زمانہ میں راٹھوروں کی حکومت تھی - جب راٹھور کے راجہ کو پتہ چلا کہ ایک پانڈو بھاگ کر جہلم کی شمالی پہاڑیوں میں جا چھپا تھا تو وہ بھی اپنے ساتھیوں سمیت اس علاقہ میں آ کر آباد ہو گیا اس نے راج گڑھ کے نام سے ایک گاؤں کی بنیاد رکھی جو آج کل ملوٹ کہلاتا ہے -

جب سلطان محمود غزنوی نے پنجاب پر حملہ کیا تو اس

نے راجہ مل کو بلا بھیجا - لیکن اس نے حاضر ہونے سے انکار کر دیا - اس سے بر افروختہ ہو کر سلطان محمود غزنوی نے اس پر چڑہائی کی اور شکست دے کر اسے قید کر لیا - اتنے میں راجہ مل نے اسلام قبول کر لیا جس کے بعد اس کی جائداد اسے واپس کر دی گئی - اس نے چونکہ "جنیئو،، (ہندوؤں کا نشان دہاگہ) اتار پھینکا تھا اس لئے اس کا خاندان جنجوعہ کہلایا -

راجہ مل کے دو بیٹے تھے - جودہ اور دیر - انہوں نے باپ کی جائداد آپس میں بانٹ لی - جودہ نے مکراچ کی نمک کی کانوں پر قبضہ کر لیا اور دیر نے پنڈ دادنخاں کے قریب کھورا کا علاقہ لے لیا - ان لوگوں کی اولاد پھیلتی رہی اور اڑوس پڑوس پر قابض ہوتی رہی - ۱۳۵۸ء میں جب تیمور نے حملہ کیا تو جنجوعوں نے اس کا ساتھ دیا - اسی طرح ۱۵۲۶ء میں انہوں نے بابر کے سامنے گھٹنے ٹیکے - بابر نے اپنی توزک میں ان کا ذکر کیا ہے - جنجوعوں کے سب سے بڑے دشمن گکھڑ تھے - انہوں نے جنجوعوں کو کئی دیہات سے نکالا اور ان کی اراضی پر قبضہ کر لیا - اسی طرح اعوان بھی جنجوعوں کو پیچھے دھکیلتے رہے - اس کے بعد سکھ آئے تو وہ بھی جنجوعوں پر چڑھ دوڑے -

انگریز کے زمانہ میں جس جنجوعے نے نام پایا اس کا

نام ملک زمان مہدی خاں تھا۔ اس نے جہلم کے انگریز ڈپٹی کمشنر کو مجاہدین کے بارے میں خفیہ اطلاعات بہم پہنچائیں۔ جن کی بنا پر کئی مجاہد جو کشتی پر دریا پار کر رہے تھے گرفتار ہو گئے۔ اس کے بعد ملک زماں مہدی نے افغان جنگ میں حصہ لیا۔ ان خدمات کے عوض اسے انگریز کی بارگاہ سے تعریفی سند ملی اور اسے درباری بنا لیا گیا۔ ملک زمان مہدی خاں کے بعد اس کی اولاد نے بھی انگریز کی اطاعت وفاداری کو جزو ایمان بنائے رکھا۔ جس کے صلہ میں ان کو فوجی عہدے، جاگیریں اور خطابات ملے۔ کوہستان نمک میں اب بھی ایسے جنجوعے آباد ہیں جن کے پاس انگریز کی دی ہوئی زمینیں اور جاگیریں ہیں۔

باب ۲۳

پنڈ دادن خاں کے کھوکھر

پنڈ دادن خاں کے کھوکھر راجے بھی جنجوعوں اور گکھڑوں کے رشتہ دار ہیں ۔ ان کی تاریخ اس زمانہ سے شروع ہوتی ہے جب دادن خاں نام ایک کھوکھر راجپوت شہنشاہ جہانگیر کی ملازمت چھوڑ کر آیا تو "نمک سار" میں آباد ہو گیا یہاں اس نے "شمس آباد نمک سار" کے آثار پر اپنے نام کی ایک بستی پنڈ دادنخاں بسائی ۔ اس علاقہ میں جنجوعے بھی رہتے تھے جن کو ایک اور قبیلہ تنگ کرتا رہتا تھا ۔ چنانچہ وہ اس علاقہ کو چھوڑ کر چلے گئے ۔ لہذا کھوکھروں کو پوری آزادی سے یہاں رہنے کا موقعہ مل گیا ۔ نمک کی وجہ سے پنڈ دادنخاں بہت جلد ایک شہر بن گیا جس میں تاجروں کی آمدورفت رہتی تھی ۔ دادنخاں کے تین لڑکے تھے جن کی

اولاد احمد آباد اور پنڈدادنخاں میں اب تک رہتی ہے۔ شفیع خاں نے چک شفیع میں ایک قلعہ بھی تعمیر کیا تا کہ گجروں اور جنجوعوں کے حملوں کی روک تھام ہو سکے ۔ اسی طرح فتح محمد گوجر اور اگر خان نے سلطان کوٹ نام قلعے تعمیر کئے ، اس کے بعد جانشینوں میں جھگڑا ہوا تو فیروز خاں کا احمد خاں پنڈ دادنخاں چھوڑ کر چلا گیا اور پندرہ میل دور ایک علیحدہ گاؤں احمد آباد کی بنیاد رکھی ۔ اس نے نور پور کے اعوانوں کو بھی مار بھگایا اور دہلی کے بادشاہوں سے اپنے حقوق ملکیت تسلیم کرا لئے ۔

اس کے دو بیٹے تھے خدا بخش اور فیض اللہ خان ۔ راجہ خدا بخش خاں نے ۴۹-۱۸۴۸ میں سکھوں کا مقابلہ کیا اور ملک شیر خاں ٹوانے کی فوج میں شامل ہو کر جاگیر اور ملکیت اراضی بھی حاصل کر لی ۔ بعد ازاں انگریز کے انعام و اکرام کی بارش اس کی اولاد پر ہوتی رہی ۔ اور یہ لوگ جو کھوکھر راجے کہلاتے تھے زمینوں اور جاگیروں کے وارث بن گئے ۔

باب ۲۴

گجرات کے چب راجے

دریائے بیاس اور جہلم کے درمیان جو چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کا ایک سلسلہ چلا گیا ہے اس میں راجپوتوں کا ایک قدیم خاندان چب رہتا تھا ۔ گجرات کے ضلع میں یہی چب اکاون دیہات کے مالک تھے ۔ ان کی ایک شاخ کانگڑہ اور جموں میں آباد ہوئی ۔ لیکن اس نے اسلام قبول نہیں کیا ۔ چب راجپوت تو نہیں ہیں لیکن ان کا درجہ سلیری ، ہر چند اور اسی قبیلے کے راجپوت گھرانوں کے برابر ہے ۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمیر چند کی اولاد ہیں ۔ جس نے کانگڑہ کے ایک راجہ کی لڑکی سے شادی کی تھی ۔ لیکن یہ درست معلوم نہیں ہوتا ۔

بہر حال اس قبیلہ کا سردار چب چند تھا جس کی اپنے بھائی اودھے چند سے لڑائی ہو گئی اور وہ ۱۴۰۰ء میں کانگڑہ

چھوڑ کر گجرات میں بھمبر کے قریب آ کر آباد ہو گیا۔ یہاں اس نے اپنی لڑکی کی شادی ایک مقامی راجہ سری پت سے کر دی۔ لیکن وہ دولت کا حریص تھا اور اپنے خسر سے بہت جلتا تھا۔ ایک دن اس نے اپنے خسر کو دعوت پر بلایا اور اس کے پورے خاندان کو تہہ تیغ کر کے ساری جائیداد پر قابض ہو گیا۔ وہ راجہ کہلاتا تھا اس کی عملداری بھمبر کے پورے علاقے میں تھی۔

جب بابر سریر آرائے سلطنت ہوا۔ تو چب چند سلامی کے لئے اس کے دربار میں حاضر ہوا۔ اور اپنی جائداد کی توثیق کرا لی۔ اس کے بعد وہ مسلمان ہو گیا۔ اس نے اپنا نام شاداب خان رکھا۔ جب ہمایوں تخت پر بیٹھا تو شاداب خان کئی مہمات میں اس کا ہمرکاب رہا۔ آخر قندہار کے ایک شخص پیر ہیبت نے اسے دشمنی میں آ کر قتل کر دیا۔ چب آج تک شاداب خان کو پیر مانتے ہیں اور اس کے مزار پر جو بھمبر کے قریب واقع ہے، بچوں کی ''جھنڈ،، اتارتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ مزار سور سادی شہید کا ہے۔

چب کے راجے کسی زمانے میں دریائے جہلم کے ساتھ ساتھ کھاری کریالی، منگل اور نوشہرہ پر بھی قابض تھے۔ جب سکھ برسراقتدار آئے تو انہوں نے گجرات کے گھکڑوں پر فتح پانے کے بعد چبوں پر حملہ کیا لیکن کامیاب نہ

ہو سکے ۔ اس کے بعد ایک سردار گوجر سنگھ کے لڑکے صاحب سنگھ نے ماہن سنگھ شکر چاکیہ کے ساتھ مل کر منگلا پر حملہ کیا ۔ لیکن ناکامی ہوئی ۔ آخر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۸۱۰ء میں گجرات پر قبضہ جمانے کے بعد چونیاں پر حملہ کیا ۔ جس کا قلعہ راجہ عمر خان کے پاس تھا ۔ وہ بھاگ کر منگلا چلا گیا ۔ سکھوں نے اس کا تعاقب کیا ۔ عاجز آ کر راجہ عمر خاں نے اپنے لڑکے اکبر علی خان کو صلح کے لئے بھیجا ۔ لیکن ابھی جواب نہ آیا تھا کہ عمر خان فوت ہو گیا ۔ اس کے بعد مہاراجہ نے اکبر خان کی پیش کش قبول کر لی ۔ اور آدھی جائداد اسے لوٹا دی ۔ لیکن ابھی چھ ماہ بھی نہ ہوئے تھے کہ اس کا سب کچھ ضبط کر لیا گیا ۔ تاہم اس کے دوسرے بیٹے امیر خان کو چار ہزار روپیہ اور اس کے بھتیجے شیر جنگ خان کو تین ہزار روپیہ پنشن دے دی ۔ کھاری کریالی کی جاگیر کھڑک سنگھ کے پاس تھی ۔ اس نے امیر خان کے چھوٹے بھائی فضل داد خان کو اپنے ہاں تین روپیہ دیہاڑی پر ملازم رکھ لیا ۔ اور دس سال بعد دس سواروں کے عوض اسے ایک ہزار چھتر روپے کا عطیہ دیا ۔ جب کشمیر اور جموں مہاراجہ گلاب سنگھ کے حصے آئے تو عطیہ کو جاگیر میں شامل کر دیا گیا ۔ اس کے علاوہ فضل داد خان کے وارثوں کو

مزید عطیے اور جاگیریں دی گئیں۔

چبوں کا ایک ممتاز سردار راجہ سلطان خان تھا۔ اس نے جنگ آزادی میں انگریز کا ساتھ دیا جسکے عوض اسے انعامات اور جاگیریں ملیں۔ چبوں میں سے ہندو خاندان کی اولاد نے بھی انگریز سے عہدے، مناصب اور جاگیرداریاں وصول کیں۔ مردان علی خان نے جنگ آزادی میں انگریز کو تیس سوار دئے تھے۔ اس کے علاوہ اس نے ابی سینا اور افغان جنگ میں حصہ لیا۔ جس پر اسے سردار بہادر کے خطاب کے علاوہ کھاریاں کی تحصیل میں جاگیر اور ذیلداری ملی۔ اسے چناب کالونی میں نو مربعے بھی دئے گئے۔

مردان علی خان کی وسیع جائیداد اس کے چھ بیٹوں میں تقسیم ہو گئی۔ تاہم انہوں نے انگریز کی فوجی خدمات بجا لا کر بہت کچھ پایا۔ ان میں سے تیسرا بیٹا سلطان عالم خان کسی زمانے میں وٹرنری کالج لاہور کا ہاوس سرجن بھی رہا ہے۔

انگریز مورخوں کا بیان ہے کہ مسلمان چبوں کے بر عکس ہندو چب انگریز کے لئے بہت زیادہ پریشانی کا موجب تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں وہ ڈاکہ اور رہزنی کے لئے بدنام تھے۔ وہ جموں کے قریب پہاڑیوں پر رہتے تھے اور جب موقع ملتا نیچے اتر کر گجرات تک مار دھاڑ کرتے۔

وہ انگریزوں کی بستیوں میں بھی لوٹ مار مچاتے - آخر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اُن کی سرکوبی کی -

جب راجپوتوں کی ایک اور شاخ کا مورث اعلیٰ راجہ سلطان خاں تھا - اُس نے ڈوگروں کی ایک فوج مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حوالے کی اور اُسے اُکسایا کہ کشمیر پر قبضہ کر لے - لیکن جب دھیان سنگھ اور گلاب سنگھ نے دیکھا کہ سلطان خاں بے حد اثر و رسوخ کا مالک ہوتا جا رہا ہے تو اُنھوں نے اُسے جموں بلایا اور وہاں نماز کی حالت میں اُسے اپنے نوکروں سے قتل کرا دیا - مہاراجہ رنجیت سنگھ کو یہ اطلاع ملی تو وہ غصے سے لال پیلا ہو گیا - اُس نے سلطان خاں کے بیٹے فیض طالب کو انتقاماً نو لاکھ کی سرداری بخش دی - لیکن جب رنجیت سنگھ مر گیا تو راجہ گلاب سنگھ نے یہ جائداد پہلے تو چھین لی - اس کے بعد تھوڑی کر دی - اُدھر جموں و کشمیر پر مہاراجہ گلاب سنگھ نے قبضہ کر رکھا تھا - انگریزوں نے پہاڑی سرداروں کی دل جوئی کا فیصلہ کیا - ۱۸۱۷ء میں سرہنری لارنس نے سکھوں سے مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ جو پہاڑی سردار انگریزی راج کے تحت رہنا چاہیں اُن کو ۲,۸۰۰ روپے کی دائمی پنشن دی جائے - اس کے مقابلے میں سو جان پور (پٹھانکوٹ) اور دریائے بیاس اور چکی کے درمیان کا علاقہ انگریز کے حوالے کر دیا جائے -

راجہ فیض طالب نے جس کو ہنری لارنس ''بھمبر والا،، کہتا تھا دس ہزار روپیہ پنشن کا حقدار ہوا - فیض طالب کو یہ شرط منظور تو نہ تھی تاہم اُس نے شاہدرہ (لاہور) میں رہائش اختیار کر لی - اُس کی اولاد نے انگریزی فوج کی ''شاندار،، خدمات سر انجام دیں جن کے صلہ میں وہ اعلیٰ عہدوں پر متمکن ہوتی رہی -

باب ۲۵

مؤکل سردار

لاہور کے علاقہ میں بڑے زمینداروں کا ایک ایسا خاندان بھی آباد ہے جس کے کچھ افراد مسلمان ہیں اور کچھ سکھ - لیکن دونوں 'موکل' کہلاتے ہیں - انگریزوں نے نہ صرف ان کو خطابات سے نوازا بلکہ ان کی سکھوں کے زمانہ کی جاگیر کو بحال کیا اور فوج میں بھرتی کر کے ان کو اپنے مخصوص مفاد کی تقویت کے لئے استعمال کیا -

موکل در اصل سندھو جاٹ ہیں جن کو رنجیت سنگھ کے زمانہ میں خاصہ اقتدار حاصل ہوا - تاہم سکھ ان کو دیر تک اپنانے سے گریز کرتے رہے - انہوں نے جو کچھ حاصل کیا انگریز کی اطاعت اور فرماں برداری کے طفیل کیا - اس خاندان کا بانی ایک جاٹ سوندھا سنگھ تھا - جس کے سات

بیٹے تھے - ان میں سے صرف دو کو انگریز کی نگاہ میں نمایاں ہونے کا موقع ملا - سوندھا سنگھ نے اپنی بیٹی پاک پٹن کے ایک جاگیردار سردار لال سنگھ سے بیاہ دی - جس نے اپنے نسبتی بھائیوں کو سکھ فوج میں بھرتی کرا دیا - ان میں سے جوندہ سنگھ نے دیوان محکم چند کی کمان میں افغان وزیر کے خلاف لڑائی میں حصہ لیا - رنجیت سنگھ ان بھائیوں کی جرأت و بہادری سے ایسا متاثر ہوا کہ ان میں سے بعض کو جاگیریں دے دیں اور ایک کو ضلع گجرات میں پانچ گاؤں بخش دئے - اس خاندان کے افراد اسی طرح سکھوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف جنگ آزما رہے اور جاگیروں اور انعامات سے سرفراز ہوتے رہے - حتیٰ کہ ۱۸۲۹ء میں ان کے ایک فرد چھتر سنگھ نے دین اسلام قبول کر لیا اور اپنا نام فتح دین رکھا - اس کی مسلمان بیوی سے تین بیٹے پیدا ہوئے خاندان کے دوسرے افراد بدستور سکھ رہے - اور انہوں نے راجہ لال سنگھ کے زمانہ میں نہ صرف اپنی چھینی ہوئی جاگیریں واپس لیں بلکہ فوجی خدمات کے عوض نئی بھی حاصل کیں - ۱۸۶۱ء میں ان کے ایک فرومان سنگھ کو پولیس کی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد موکل کے قریب ۳۸ دیہات کا ذیل دار یا آنریری پولیس مجسٹریٹ بنا دیا گیا - ۱۸۶۲ء میں اسے ۲۰ ایکڑ زمین چونیاں میں دی گئی -

اس کے بعد اس کے دو بیٹے پرتاپ سنگھ اور لابھ سنگھ مسلمان ہو گئے ۔ اول الذکر لاہور اور حصار میں دو ہزار دو سو ایکڑ کا مالک تھا ۔

اس کے علاوہ چناب کالونی میں اسے ۵۶۰ ایکڑ زمین عطیہ کے طور پر ملی ۔ اس نے اپنا نام بشیر احمد خاں رکھ لیا تھا ۔ وہ آب پاشی کے محکمہ سے دو سو روپے ماہانہ پنشن پر ریٹائر ہوا ۔ اس نے زراعت پر کچھ کتابیں بھی لکھی ہیں ۔ لابھ سنگھ کا اسلامی نام محمد عمر تھا ۔ وہ بھی ذیلدار رہا ہے ۔ ان کے بھائی گودڑ سنگھ کو رکھ منڈی میں پچاس ایکڑ زمین دی گئی ۔ وہ جلو کی چونیاں کا ذیلدار تھا ۔ مان سنگھ کی اولاد میں سے تیجا سنگھ بھی مسلمان ہو گیا ۔ اس کا نام عبدالرحمان تھا ۔ اسے خان بہادر کا خطاب ملا ۔ وہ موکل اور دوسرے دیہات میں ۲۶۸ ایکڑ زمین کا مالک تھا ۔ اس کا بڑا لڑکا جمیل اللہ محکمہ آب پاشی میں ملازم تھا اور تیسرا لڑکا فقیر اللہ نائب تحصیلدار تھا ۔ اسی طرح مقدم سنگھ بھی رسالدار رہا ہے اور ریٹائر ہونے پر اسے سلطان کی میں ایک سو ایکڑ زمین دی گئی ۔ غرض یہ خاندان انگریز کی کاسہ لیسی کے لئے ممتاز رہا ۔ اور اس کے عوض اس کے افراد نے بے شمار اراضی حاصل کی جس کی ملکیت اب تک چلی آ رہی ہے ۔

باب ۲۶

سدوزئی نواب

لاہور اور ملتان کے جاگیرداروں میں نواب مظفر خان کو امتیازی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اس خاندان کے افراد کابل اور قندھار میں دہلی کے مغل بادشاہوں کے گورنر رہے ہیں۔ اس خاندان کا بانی سدو خان تھا۔ جو سدو زئی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کی اولاد میں سے شاہ حسین ایرانی بادشاہوں سے شکست کھا کر ہندوستان چلا آیا۔ یہاں آسے سیالکوٹ میں جاگیر ملی اور داراشکوہ اور اورنگ زیب کے ساتھ مل کر قندھار اور دکن وغیرہ کی مہمات میں شریک ہوتا رہا۔ اس کے بیٹے بھی مغلوں کی خدمت کرتے اور انعام و اکرام پاتے رہے انہوں نے سکھوں اور مرہٹوں کا مقابلہ بھی کیا۔ تاہم اس خاندان کے ایک فرد مظفر خان نے مہاراجہ رنجیت سنگھ

کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھایا ۔ جس سے خوش ہو کر مہاراجہ نے اسے خلعت دی ۔ تاہم سکھوں کا دباؤ برابر بڑھتا رہا ۔ جس سے تنگ آ کر مظفر خان حج کے لئے مکہ معظمہ چلا گیا ۔ وہاں سے ۱۴ ماہ بعد واپس آیا تو اپنے آپ کو انگریز کی پناہ میں دینے کے لئے گورنر جنرل سے خط و کتابت کرتا رہا ۔ اتنے میں رنجیت سنگھ نے ایک مرتبہ پھر ملتان پر حملہ کیا ۔ مظفر خان نے اس دفعہ بھی اسے کچھ دے دلا کر واپس کر دیا ۔ لیکن ۱۸۱٦ء میں سکھوں نے ملتان پر پھر چڑھائی کی ۔ پہلے تو وہ رشوت لے کر واپس چلے گئے ۔ لیکن اگلے سال کھڑک سنگھ نے با قاعدہ حملہ کیا ۔ جس میں مظفر خاں اور اس کے پانچوں بچے مارے گئے ۔ اس کے بعد سکھوں نے اس کے بیٹے سرفراز خاں کو شرق پور اور نولکھا میں جاگیر دی ۔ اس کے جانشین لاہور ، کپور تھلہ اور بہاولپور میں مختلف عہدوں پر متمکن رہے ہیں ، سکھوں کی عطا کی ہوئی جاگیروں کے علاوہ انگریزوں نے بھی ان کی خدمات کے عوض پنشن ، انعام اور معانیاں دیں ۔

باب ۲۷

پنجاب کے کلال شیخ

پنجاب میں ایک ایسا جاگیردار خاندان بھی ہے جس کا سربراہ ہوشیار پور کے ایک معمولی سکھ کلال کا منشی تھا لیکن اس کی اولاد نے سکھوں اور انگریزوں سے ساز باز کر کے دوآبہ جالندھر اور ریاست جموں و کشمیر کے مسلمانوں پر اتنے ہولناک مظالم ڈھائے کہ انسان آج بھی کانپ اٹھتا ہے۔ اسی لئے یہ خاندان انگریزوں کا منظور نظر رہا اور انہوں نے اسکے تمام افراد کو نہ صرف لاہور، پاک پٹن، منٹگمری اور لائل پور میں ہزاروں ایکڑ زمین انعام اور جاگیر کے طور پر بخش دی بلکہ اعلیٰ سرکاری عہدوں پر بھی متمکن کیا۔

اس خاندان کے دو افراد۔ جو در اصل باپ بیٹا تھے، شیخ کہلاتے ہیں، شیخ اجالا در اصل ایک کلال تھا۔

جس نے ہوشیار پور کے سردار بھوپ سنگھ کے پاس منشی کے طور پر ملازمت اختیار کر رکھی تھی ۔ اس کے لڑکے غلام محی الدین پر دیوان موتی رام (ولد جنرل حکم چند) کی نظر پڑی تو اس نے اسے اپنے بیٹے شیو دیال کے پاس نوکر کرا دیا ۔ غلام محی الدین نے ان لوگوں کے پاس رہ کر پر پرزے نکالے اور ہندوؤں نے بھی اسے اپنے مفاد کے لئے پوری طرح استعمال کیا ۔

۱۸۲۳ء میں جب کابلی پٹھانوں نے سکھوں پر چڑھائی کی تو رنجیت سنگھ نے ان کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر سوچا کہ کسی طرح بات چیت کے ذریعے ان سے جان چھڑائی جائے۔

اس مقصد کے لئے نگاہ انتخاب غلام محی الدین پر پڑی ، چنانچہ اس نے کابلیوں کے ایک پیر کے ذریعے یہ کام بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ سر انجام دیا ۔

۱۸۲۷ء میں شیو دیال کے بھائی کرپا رام کو ریاست جموں و کشمیر کا گورنر بنایا گیا تو وہ اپنے ہمراہ شیخ غلام محی الدین کو بھی لے گیا ۔ ریاست میں شیخ کو کھل کھیلنے کا موقع ملا ۔

وہ مالیہ وصول کرنے پر مامور تھا ۔ اس نے غریب اور پسماندہ مسلمانوں سے روپیہ بٹورنے کے لئے ایسے ایسے ظلم

ڈھائے کہ حکومت لاہور بھی پریشان ہو گئی ، اسے دو دفعہ واپس بلا کر قید اور جرمانے کی سزا بھی دی ۔ لیکن وہ باز نہ آیا ۔ آخر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے حکم دیا کہ ہوشیارپور میں اس کی جائیداد ضبط کر لی جائے ۔ اس کے قبضہ سے ساڑھے نو لاکھ روپے نقد نکلے ۔ وہ قسمیں کھاتا رہا کہ یہ روپیہ اس کے باپ نے اپنی ملازمت کے دوران جمع کیا تھا ۔ لیکن رنجیت سنگھ جانتا تھا کہ اس کے باپ نے ایک لاکھ روپیہ بھی یکجا پڑا ہوا نہیں دیکھا ۔ چنانچہ غلام محی الدین کو بیک بینی دو گوش ملازمت سے نکال دیا ، لیکن کچھ عرصے بعد نونہال سنگھ نے اسے دوبارہ رکھ لیا ۔ اور ١٨٣٩ء میں اسے دوآبہ جالندھر کا حاکم (گورنر) بنا دیا ۔ اور اگلے سال ہی اسے جنرل ونتورا کے ساتھ منڈی کے راجپوتوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا ۔ ابھی وہ لڑائی میں مصروف تھا کہ اس نے نونہال سنگھ کی اچانک موت کی خبر سنی ، چنانچہ وہ لڑائی ادھوری چھوڑ کر لاہور پہنچا اور یہاں نونہال سنگھ کی ماں (مائی چند کور) کی حمایت پر کمربستہ رہا ۔ تاہم جب شیر سنگھ تخت پر بیٹھا تو اس نے غلام محی الدین کو معاف کر دیا اور اسے گورنر کشمیر کے عہدے پر متمکن کیا ۔

شیخ غلام محی الدین نے گورنر کشمیر کی حیثیت سے اور اس کے بیٹے امام الدین خان نے گورنر جالندھر کی حیثیت

سے مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے اس کا تذکرہ ان علاقوں میں آج بھی نفرت و حقارت سے کیا جاتا ہے ۔

تاہم سکھوں کے نزدیک یہ دونوں باپ بیٹا معزز تھے اس لئے ان پر ہمیشہ انعام و اکرام کی بارش ہوتی رہی شیخ غلام محی‌الدین ہی تھا جس نے مظفر آباد کے حاکم سلطان زبردست خان کو عین نماز کی حالت میں قتل کر دیا اور اس کی جاگیر غصب کر لی ۔

۱۸۴۵ء میں جب انگریزوں نے پنجاب میں قدم پسارے تو غلام محی‌الدین نے ان سے وفاداری کا اظہار کیا اور صلح کی بات چیت کرنی چاہی ، لیکن اس کی تجاویز کو مسترد کر دیا گیا ۔ جس کے فوراً ہی بعد (غالباً زہر خوری کے باعث) وہ ہلاک ہو گیا ۔ اس کے بعد اس کے لڑکے امام‌الدین خان نے کشمیر کی باگ دوڑ سنبھالی ۔ جب مہاراجہ گلاب سنگھ نے ۱٦ مارچ ۱۸۴٦ء کو کشمیر کا سودا کیا تو امام‌الدین ہی وہاں کا گورنر تھا ۔ لاہور میں اس سودے کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا ۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے ایک حریف راجہ لال سنگھ نے امام‌الدین کو خفیہ پیغام بھیجا کہ مہاراجہ کی مخالفت پر کمربستہ رہے ۔ یہ کام اس نے بڑی خوش اسلوبی سے سر انجام دیا اور کشمیر کے مسلمانوں کا خون پی پی کر

روپیہ جمع کرتا رہا ، حتیٰ کہ مشہور ہو گیا کہ اس کے پاس دو کروڑ روپیہ ہے ۔

در اصل امام الدین کا خیال تھا کہ وہ انگریز کو رشوت دے کر کشمیر کا وائسرائے بن جائے گا ۔ اسی لئے وہ راجہ لال سنگھ کی ہدایات پر بھی عمل کرتا رہا ۔ اس نے مہاراجہ گلاب سنگھ کی فوجوں کو رشوت دے کر اپنے ساتھ ملا لیا اور راجوری کے راجہ رحیم اللہ خان کی امداد سے نہ صرف کشمیر میں اپنے پاؤں مضبوط کر لئے بلکہ انگریزوں کے مقابلہ کے لئے بھی تیاری کرتا رہا ۔ آخر جب اسے محسوس ہوا کہ انگریزی سپاہ کا مقابلہ کرنا اس کے بس کی بات نہیں تو اس نے تھانہ کے مقام پر کرنل لارنس کے آگے ہتھیار ڈال دیئے ۔ اس کے ساتھ ہی راجہ لال سنگھ کے خفیہ خطوط بھی دکھائے اور کہا کہ میں تو اس کی ہدایات پر عمل کر رہا تھا ورنہ انگریزوں سے میری کیا دشمنی ہے ۔ انگریز نے انہی خطوط کی بنا پر راجہ لال سنگھ کو وزارت سے ہٹا کر جلا وطنی کی سزا دے دی ۔

اس کے بعد امام الدین انگریزی فوج کے ساتھ مل گیا اور ملتان کی مہم میں شریک ہوا ۔ انگریز نے خوش ہو کر اسے ''نواب'' کا خطاب دیا اور ۱۱,۶۰۰ روپے کی پنشن کے علاوہ ۸,۴۰۰ روپے کی جاگیر بھی عطا کی ۔

امام الدین کے بعد اس کی اولاد پر انعام و اکرام کی بارش ہوئی - غلام محبوب سجانی کو پانچ ہزار روپے کی موروثی جاگیر ملی - چونکہ اس کا کوئی بیٹا نہ تھا اس لئے پنشن کا روپیہ بیٹی کو ملتا رہا - جاگیر اس کے بھتیجے شیخ ناصرالدین کو ملی - جو تین برس تک ریاست بہاولپور کا وزیر بھی رہا ہے - اس کا باپ فیروزالدین تحصیلدار اور جج کے عہدے سنبھالنے کے بعد وزیر بنا - نواب امام الدین خان کا ایک اور بھتیجا ساندے خاں تھا وہ ۱۸۷۳ء میں لاہور کا آنریری مجسٹریٹ رہا - ۱۸۸۵ء میں اُسے تحصیل پاک پتن ساہیوال میں دو ہزار ایکڑ زمین دی گئی - اس کے بیٹے شیخ محمد حسین کو لائل پور میں چھ مربع زمین ملی -

باب ۲۸

مزاری سردار

دریائے سندھ کی زرخیز زمینوں پر قابض ہونے کے لئے مزاری اپنے تمام ہمسایہ قبیلوں سے لڑتے جھگڑتے رہے اور کبھی جیتے کبھی ہارے۔ آخر جمال دوم کے زمانہ میں سندھ کے کنارے میدان میں اتر کر آباد ہونے لگے۔ اس وقت یہ علاقہ نہر قبیلہ کے پاس تھا۔ اس نے مزاریوں کو راجن پور اور دریائے سندھ کے درمیان کا علاقہ دے دیا جو آج بھی ”جمال واہ،، کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں جمال خان نے ایک نہر بھی کھودی تھی۔ رفتہ رفتہ مزاریوں نے دوسرے قبائل، خصوصاً چانڈیا اور بگٹی سے زمین ہتھیائی اور اپنی عملداری بہت وسیع کر لی۔

بگٹی قبیلہ سے مزاریوں نے بے شمار لڑائیاں لڑیں۔ ایک

موقع پر مزاری مویشی چرا کر لے جا رہے تھے کہ ان کے پانچ ساتھی ایک پہاڑی پر بیٹھ کر جوا کھیلنے لگے۔ وہ اپنے کھیل میں اتنے محو تھے کہ بگٹیوں نے ان کو اچانک آلیا اور قتل کر دیا جب اس کی اطلاع میر حمال خان کو پہنچی تو اس نے قسم کھائی کہ اگر آئندہ ایک بھی مزاری جؤا کھیلتا دیکھا گیا تو اسے موت کی سزا دی جائے گی۔ تھوڑے ہی عرصے بعد اس نے اپنے بیٹے مٹھا خان کو جؤا کھیلتے دیکھا۔ مٹھا خان نے باپ کو دیکھتے ہی دیوار پھلانگ کر بھاگنا چاہا لیکن حمال خان نے ایسا تاک کر تیر چلایا کہ اس کے بیٹے کی ران کو چھیدتا چلا گیا۔ جب مزاریوں نے دیکھا کہ ان کا سردار جوئے کے بارے میں اتنا سخت ہے تو انہوں نے جوا کھیلنا بند کر دیا۔

مزاریوں اور درشکوں کی لڑائیاں بھی قابل ذکر ہیں۔ دونوں کی دشمنی آج تک جاری ہے۔ تاہم لڑائی اب میدان میں نہیں عدالت میں ہوتی ہے۔ دشمنی کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ مزاری اپنی بھیڑ بکریاں، گنڈاری کی پہاڑیوں پر چرایا کرتے تھے۔ درشک آتے اور ان کے جانور اٹھا کر لے جاتے۔ حمال خان نے ایک دفعہ ان پر چڑھائی کی اور کم سے کم پندرہ درشک مار ڈالے۔ اس کے بعد دونوں قبائل ایک دوسرے پر حملے کرتے رہے۔ جن میں حمال خان کی

بیوی ماری گئی اور ماں بھی زخمی ہو گئی - مزاری آج تک کہتے ہیں کہ درشکوں نے ان کی بے عزتی کی - درشکوں کا بیان ہے کہ انہوں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا - عورتوں پر حملہ اتفاقیہ تھا -

میر حمال خان کے بعد اس کا بیٹا میر مٹھا خان قبیلہ کا سردار منتخب ہوا - اس وقت بھی ہمسایہ قبیلوں کے ساتھ مزاریوں کی جنگ برابر جاری رہی - آخر گورچانیوں نے اپنی ایک لڑکی حمال خان کے پوتے مصطفیٰ خان سے بیاہ دی جس کے بعد قدرے امن ہوا -

اب تک مزاری آزاد قبیلہ کی سی زندگی بسر کرتے تھے - جب احمد شاہ درانی نے حملہ کیا تو اس نے ہرند دجل کا علاقہ بروہی قبیلہ کے سردار ناصر خان کو دے دیا - ناصر خان نے مزاریوں کو مار بھگایا اور کشمور میں قلعہ بنا کر پورے میدانی علاقہ پر قابض ہو گئے - مزاری پہاڑیوں میں جا کر چھپ گئے - لیکن بروہیوں نے ان کا پیچھا کیا اور ان کے سردار میر گلشیر خان کو قتل کر دیا - اس کے بعد مزاریوں کی طاقت کمزور ہو گئی - تاہم میر شاہ علی نے سب کو اکٹھا کر کے کشمور پر حملہ کیا -

ادھر چانڈیا ابھی تک دریائے سندھ کے دامن میں دندنا

رہے تھے - مزاریوں نے ان سے صلح کر لی اور دونوں بروہیوں کے مشترک دشمن بن گئے - لیکن سندھ کے کنارے کی زمین کچھ ایسی زرخیز تھی کہ قبائلی جنگیں ختم ہونے کو نہ آتی تھیں - میر شاہ علی نے فیصلہ کن جنگ کرنے کا تہیہ کر لیا - اس نے راتوں رات کشتیوں کے ذریعے دریا کے پار اپنے سینکڑوں آدمی اتارے اور چانڈیوں پر یکلخت ہلہ بول دیا - بے شمار چانڈیا مارے گئے - مزاریوں نے ایک ایک گھر کو لوٹا اور پورے علاقہ پر قبضہ جما لیا - اس علاقے کو آج بھی ''چنڈ کو،، کہتے ہیں - ادھر قلات کا ناصر خان مزاری علاقہ پر قابض ہونے کے لئے پر تولنے لگا - اس کے ساتھ بگٹی قبیلہ کے لوگ بھی مل گئے انہوں نے راجن پر حملہ کیا اور بیالیس مزاری قتل کرنے کے بعد ان کے مال مویشی اٹھا کر لے گئے - بروہیوں نے عمر کوٹ میں ایک قلعہ بنا رکھا تھا - مزاریوں نے پانچ سو آدمیوں کا ایک لشکر تیار کر کے اس پر حملہ کر دیا اور بروہیوں کے سرداروں کو مار ڈالا - اس کے بعد خان قلات کو مزاریوں کی آزادی میں دخل دینے کی جرأت نہ ہوئی - تاہم میر حمال خان نے بہتری اسی میں سمجھی کہ کسی طاقتور سردار سے راہ و رسم رکھے - چنانچہ اس نے سندھ کے تالپوری امیر سے سمجھوتہ کر لیا وہ بنفس نفیس خیر پور کے دربار میں حاضر ہوا - اور مزاریوں

کی تمام مملوکہ اراضی کی مالگزاری پیش کر دی - میر تالپور نے رسمی طور پر تمام اراضی کی ملکیت کے حقوق مزاریوں کو عطا کر دیئے -

یہ واقعہ ۱۷۹۱ء کا ہے - اس سمجھوتہ کے تحت مزاریوں کی عملداری اب بھی تسلیم کی جاتی ہے -

بروہی بھاگ گئے تو مزاریوں نے بگٹیوں کے علاقہ پر حملہ کر دیا اور ایک ندی کے کنارے فتح پانے کے بعد بے شمار مال غنیمت لوٹا - لیکن ابھی وہ مال لے کر واپس جا رہے تھے کہ بگٹیوں نے عقب سے ان پر حملہ کر دیا اور رات کی تاریکی میں بے شمار مزاری موت کے گھاٹ اتارے - کہتے ہیں کہ ایک ڈکا رانی مزاری چھاچھر نام نے منت مانی کہ اگر یہ رات دن سے بدل جائے تو وہ سندھ کے ایک پیر رندانی کے مزار پر کالا بیل چڑھائے گا - روایت ہے کہ رات فوراً دن سے بدل گئی اور مزاریوں نے بگٹیوں پر حملہ کر کے ان کو بھگا دیا - اس کے بعد بھی بروہیوں اور درشکوں سے مزاریوں کی لڑائی جا رہی جس میں انجام کار فتح مزاریوں کی ہوئی -

۱۸۱۹ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ڈیرہ غازیخاں کا کا علاقہ انتظامی لحاظ سے ریاست بہاولپور میں شامل کر دیا

۱۸۲۷ء میں ہرنڈ دجل کا علاقہ بھی خان قلات سے چھین لیا گیا جس کے بعد سکھوں کی دھاک بیٹھ گئی اس علاقہ پر دیوان ساون مل کی حکومت تھی ۔ اس کے نزدیک مزاری چونکہ ابھی تک مار دھاڑ میں مصروف تھے ۔ اس لئے وہ سات ہزار کی فوج لے کر ان پر چڑھ دوڑا اور ان کے تمام مال مویشی چھین کر ان کو پہاڑیوں میں مار بھگایا ۔ تاہم وہ جلد ہی اکٹھے ہو کر مٹھن کوٹ پر حملہ آور ہوئے لیکن ساون مل نے یہاں سے بھی ان کو بھگا کر خیر پور میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا ۔ آخر لغاریوں کے سردار رحیم خان کے ذریعے سکھوں اور مزاریوں کی صلح ہو گئی ۔ مزاریوں کو ان کی جاگیریں لوٹا دی گئیں ۔ اس غرض کے لئے دیوان نے ملتان میں ایک دربار منعقد کیا ۔ جس میں بہرام خان خود حاضر ہوا اور اسے خلعت دی گئی ۔ یہ ۱۸۳۳-۳۴ء کا واقعہ ہے ۔

۱۸۳۷ء میں بہرام خان فوت ہو گیا تو اس کے بیٹے دوست علی خان کے زمانے میں مزاریوں نے پھر سر اٹھایا لیکن سکھوں نے ان کو پھر سندھ کی جانب بھگا دیا ۔ اتنے میں دیوان ساون مل مارا گیا ۔ اس کے لڑکے مول راج کو چونکہ حامیوں کی ضرورت تھی ۔ اس نے مزاریوں کو معاف کر دیا ۔

اب الحاق پنجاب کا زمانہ آیا ۔ دوست علی خان بری عادتوں میں پڑ گیا ۔ اس لئے قبیلہ کا انتظام اس کے چھوٹے بھائی امام بخش خان نے سنبھال رکھا تھا ۔ اس نے مزاریوں کو ایک با اخلاق اور با ضابطہ قبیلہ بنانے کی پوری کوشش کی ۔ اور انگریزوں کا ممد و معاون رہا ۔ انقلاب ۱۸۵۷ء میں اس نے استعمار پسندوں کی جو خدمت کی اس کے صلہ میں اسے آنریری مجسٹریٹ بنا دیا گیا ۔ جس زمانہ میں رابرٹ سنڈیمن اس علاقے کا ڈپٹی کمشنر تھا مزاریوں کو اسی شخص نے جذبہ جہاد سے محروم کیا ۔

۱۸۷۴ء سے ۷۷۔۱ء تک انگریز خان قلات سے گفت و شنید کرتے رہے ۔ امام بخش نے یہاں بھی انگریز کی مدد کی اور بات چیت کو پروان چڑھایا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مزاری سردار پر خطابات کی بارش ہونے لگی ۔ پہلے نواب ، پھر سر ، پھر صوبائی درباری اور پھر پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کا رکن نواب سر امام بخش خان کے بھائی اور ان کے بیٹے پوتے اور پڑ پوتے قیام پاکستان تک انگریزی راج کی مسکراہٹوں میں پروان چڑھتے رہے ۔ ان کو نہ صرف اعزازات و خطابات ملے بلکہ وسیع اراضی پر بھی وہ بدستور قابض ہیں ان کا شمار پاکستان کے بڑے زمینداروں میں ہوتا ہے ۔

باب ۲۹

لغاری تمندار

ڈیرہ غازی خان کے تمنداروں کی ایک اور شاخ لغاری کہلاتی ہے - یہ لوگ بھی اپنے بلوچی بھائیوں کی طرح سولہویں صدی کے اوائل میں آ کر اس جگہ آباد ہوئے - جب اُن کا ایک سردار میر چاکر ہمایوں بادشاہ کے ساتھ جا ملا تو یہ بھی اس کے ساتھ تھے - ہمایوں نے شیر شاہ سوری کے جانشینوں کے خلاف فوج کشی کی تھی - لغاریوں نے اس مہم میں اس کا پورا پورا ساتھ دیا -

آخری عمر میں میر چاکر منٹگمری کے قریب ست گھرہ کے مقام پر آباد ہوا جہاں اِس کا مزار آج بھی موجود ہے - تاہم لغاری اپنے سردار میر رند خاں کے ہمراہ وادی سندھ میں واپس چلے گئے جہاں اس وقت غازی خاں ڈوڈئی نے اپنی

عملداری قائم کر رکھی تھی - لغاریوں نے اس سے یہ علاقہ واپس چھین لیا اور احمدانی بلوچیوں کو مار بھگایا - جواب تک کہیں کہیں موجود ہیں - رند خاں چوٹی کے مقام پر فوت ہوا اور وہیں اس کا مزار ہے -

اٹھارویں صدی میں لغاریوں کی ایک شاخ علیحدہ ہو کر تالپور (سندھ) چلی گئی - اُن کا سردار شاہداد خان تھا جس نے شمالی سندھ کے کلہوڑا سردار غلام شاہ کے پاس پناہ لی - ۱۷۷۲ء میں تالپوری لغاریوں نے کلہوڑوں کا خاتمہ کر دیا اور اس علاقے کے بلا شرکت غیرے مالک بن گئے -

لغاریوں کی ایک شاخ بر خاں کہلاتی ہے اور موجودہ بلوچستان میں آباد ہے - جب درانیوں کا خاتمہ ہوا اور ڈیرہ غازی خان پر سکھوں نے قبضہ کیا تو ایک لغاری سردار محمد خان بھاگ کر لغاری برخاں میں چلا گیا جہاں اس کے ہاں جلال خاں پیدا ہوا - لغاری جلد ہی سکھوں کے حلیف بن گئے اور ساون مل کو ساتھ ملا کر اپنے پرانے حریفوں گورچانیوں اور کھوسوں سے انتقام لینے میں کامیاب رہے - چھاتا خان گورچانی نے اپنے بھتیجے سے تمنداری چھین رکھی تھی لیکن بھتیجا ہوشیار نکلا - اس نے لغاریوں کی امداد سے اچانک چھاتا خان پر حملہ کیا اور اسے دیوان ساون مل کے حوالے کر کے اپنا منصب واپس لے لیا - اس کے بعد دشمنی کی آگ کچھ دیر فرو

رہی لیکن پھر بھڑک اٹھی - رحیم خاں لغاری کے ایک بیٹے کو گورچانیوں نے بہاولپور میں پہنچ کر قتل کر دیا - رحیم خاں پہلے سردار کا بھتیجا تھا - اس نے محمد خاں کی موت کے بعد تمنداری پر قبضہ کر رکھا تھا لیکن مزاریوں کی امداد سے اسے بہاولپور بھگا دیا گیا - جہاں نواب نے اسے صادق آباد کی تحصیل میں رحیم آباد کے مقام پر ایک جاگیر دے دی -

۱۸۴۸ء میں جب ایڈورڈس نے ڈیرہ غازی خاں پر حملہ کیا تو لغاریوں نے سکھوں کا ساتھ دیا - لیکن کھوسے اور گوچانی انگریز کے حامی بن گئے - جلال خاں لغاری سندھ ساگر دوآب میں مولراج سے جا ملا اور پانسو قبائلیوں کی امداد اسے بہم پہنچائی - لیکن ایڈورڈس نے ڈیرہ غازی خاں پر قبضہ کر لیا اور کھوسوں نے لغاریوں کو شکست دے دی - اس موقع پر ایک لغاری سردار جلال خاں نے ۸۰ آدمی لے کر انگریزوں کی اطاعت کا اعلان کر دیا - لیکن کھوسوں کی موجودگی میں ان کو وہ عزت نہ مل سکی جو وہ چاہتے تھے - تاہم جلال خاں نہروں کا ٹھیکیدار بن گیا - اس نے پٹھان قبائلیوں کو مزدوروں کے طور پر بھرتی کر کے بہت سی نہریں کھودیں اور خوب روپیہ کمایہ - اسے مجسٹریٹ کے اختیارات بھی دے دیئے گئے - لیکن نہروں کے معاملہ میں وہ بد معاملہ بھی ثابت ہؤا - اس لئے اس کے یہ اختیارات چھین لئے گئے - تاہم اس نے جوش و خروش

کے ساتھ انگریز کی خدمت کی ۔ اور ١٨٧٥ء میں سر رابرٹ سنڈیمن کے ساتھ قلات کی مہم پر بھی گیا ۔ جس سے خوش ہو کر انگریز نے نہ صرف مجسٹریٹ کے اختیارات لوٹا دیئے بلکہ اسے نواب کا خطاب بھی دیا ۔ ١٨٨١ء میں اس نے حج کر لیا ۔ لیکن ابھی اپنے گاؤں چوٹی واپس نہیں پہنچا تھا کہ ڈیرہ غازی خان ہی میں فوت ہو گیا ۔

نواب جلال خاں کے بعد محمد خاں اور پھر جمال خاں نے جاگیر کے انتظام سنبھالے ۔ ورثا میں جھگڑا اٹھا تو سرداروں کی ایک کانفرنس بلائی گئی جس میں سردار بہرام خاں ، سردار جلاب خاں اور خان بہادر جن وڈا خاں شامل تھے ۔ انہوں نے دین محمد کے حق میں فیصلہ دیا ۔ جاگیر پر اس وقت تک بیشمار قرضہ ہو گیا تھا ۔ دین محمد خاں لغاری نے ڈپٹی کمشنر کی نگرانی میں تمام بقائے صاف کئے جس کے بعد اس کے اعزازات میں خاصہ اضافہ ہوا ۔ رفتہ رفتہ اس خاندان کو انعاموں ، پنشنوں ، اور معاوضوں کے علاوہ کئی دیہات کی جاگیر بھی ملی ۔ سردار جمال خاں کے زمانے تک آمدنی کا اندازہ پینسٹھ ہزار روپیہ تھا ۔ لیکن اس کے بعد اس میں بہت سا اضافہ ہوا ۔

مزاریوں اور لغاریوں کے علاوہ جن قبائلی بلوچی سرداروں کو ڈیرہ غازی خاں کے علاقہ میں (جو انگریز کے زمانہ میں تالپور ، خیر پور اور قلات تک وسیع تھا) جاگیریں ملی ہوئی

تھیں - اُن میں سیرائی کلھوڑا ، کھوسہ ، درشک ، گورچانی ، سوری ، لوند ، قیصرانی ، لونڈہی ، سدوزئی ، نتکانی ، تونسوی اور میرانی شامل ہیں۔ سیرائی دراصل صحرا سے نکلا ہے۔ یہ لوگ چونکہ صحرائے سندھ میں آباد تھے اس لئے صحرائی کہلائے جو بگڑ کر سیرانی بن گیا - سیرائی حضرت عباس کی اولاد کہلاتے ہیں - اور کلھوڑا سرداروں سے اپنا رشتہ جوڑتے ہیں جب احمد شاہ درانی نے ٹھٹھہ کے علاقہ پر قبضہ کیا تو صحرائی سردار نور محمد نے اپنی وفاداری کا اظہار کیا جس پر احمد شاہ نے اسے شاہ نواز کا خطاب دیا جو ورثہ میں چلتا جا رہا ہے اسی نور محمد کے لڑکے غلام شاہ کے زمانہ میں تالپور لغاری شاہداد خاں بھاگ کر حیدرآباد آیا تھا اور تمام کلھوڑوں نے اس کی آؤ بھگت میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا تھا بلکہ اسے جاگیر بھی دی تھی - شہداد کے بعد اس کا بیٹا میر بہرام تالپوری سردار بنا اور اسے میاں غلام شاہ نے اپنا وزیر مقرر کیا - اسی بلوچی کے طفیل میاں غلام شاہ (اس کی اپنی زبان میں) کچھ سے کالا باغ تک اپنی سلطنت وسیع کرنے میں کامیاب رہا - سکھوں اور انگریزوں نے شاہ سیرائی کے خاندان کو بہت نوازا - اور بے شمار جاگیریں دیں - یوں تو یہ لوگ شیعہ ہیں لیکن ان کی بعض عادات و خصائل سکھوں سے ملتی جلتی تھیں - مثلاً وہ نہ مونچھیں چھوٹی کراتے ہیں نہ بال

کٹواتے تھے اور سر پر جوڑا باندھ چھوڑتے تھے ان میں سے جان محمد خان اور لطف محمد خان صوبائی درباری تھے۔ ان کے جانشین خیرپور ریاست میں آباد ہو گئے۔ یہ لوگ میاں صاحب کہلاتے ہیں اور کسی کی آمد پر بھی اٹھ کھڑے نہیں ہوتے۔ یہ میاں صاحبان بھی دراصل پیر مریدی کے طفیل جاگیردار ہیں۔

کھوسے بلوچی قبیلہ کی شاخ ہوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے پاس سندھ میں بے شمار زمینیں تھیں۔ اب وہ سکھر اور جیکب آباد میں آباد ہیں۔ ان کی ایک شاخ ابھی تک ڈیرہ غازیخان کی پہاڑیوں میں رہتی ہے۔ دراصل کھوسے، ہوتی اور منت کانی وغیرہ سب ایک دوسرے کے رشتہ دار ہیں۔ سکھوں اور انگریزوں کی مہمات میں ان قبائلیوں نے ساتھ دیا جس کے صلہ میں ان کو جاگیریں اور اراضی ملی۔

درشک بھی ہوتیوں کی برادری کے ہیں۔ ان کا ذکر مزاریوں کے سلسلہ میں آ چکا ہے۔ ان کے آخری سرداروں میں سردار ورہن خاں صوبائی درباری اور آنریری مجسٹریٹ تھا۔ اسے جاگیروں اور زمینوں سے بیس ہزار روپے کی آمدنی ہوتی تھی جو آگے چل کر وارثوں میں تقسیم ہوتی گئی۔

گورچانی اپنے آپ کو راجپوت کہتے ہیں۔ احمد شاہ درانی نے ان کو مالا مال کر دیا تھا۔ ان کے ایک سردار لال خان کو ایک وسیع علاقے کا مالک بنا دیا گیا۔ اور اسے مالیہ اور

لگان بھی وصول کرنے کے اختیارات مل گئے - لال خاں کے بعد جلاب خاں نے لغاریوں سے رشتہ داری قائم کر لی - احمد شاہ درانی کے بعد سکھوں اور انگریزوں نے بھی اس خاندان کو خوب نوازا - ان کے ایک سردار غلام حیدر خاں نے لغاریوں کو زیر کرنے کے لئے انگریز کی بڑی مدد کی - اس کے علاوہ جب بگٹی قبیلہ نے انگریزی علمداری پر حملہ کیا تو غلام حیدر ہی نے اسے پسپا کیا - انگریز نے پہلے گورچانیوں کو جرائم پیشہ قرار دے رکھا تھا - لیکن ان کی خدمات سے خوش ہو کر ان کو جاگیر اور اراضی دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی - سردار غلام حیدر کے بعد اس کے تمام بیٹے بھائی اور دیگر رشتہ دار انعامات اور عہدوں سے مستفید ہوئے - ان کی جاگیر ''گورچانی تمن،، کہلاتی ہے -

یہی حال قیصرانیوں، سوری لوندوں، ٹبی لوندوں، نتکانیوں اور سدوزئیوں کا ہے - ان کو انگریز کی خدمات کے صلہ میں ڈیرہ غازیخاں اور ڈیرہ اسماعیل میں کافی جاگیریں دی گئیں - اور سرکار دربار میں عزت ملی -

تمنداروں کی اس فہرست میں پیر صاحب تونسہ شریف بھی شامل ہیں - تونسہ کے میاں صاحب افغان قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں ان کے مورث میاں محمد سلیمان ۱۶۹۶ء میں تونسہ میں آئے اور شاہ خواجہ نور محمد کے مرید ہوئے - ان کی پارسائی کا شہرہ

دور دور تک تھا خصوصاً بہاولپور کے نواب اور لتکانی سردار ان کے معتقد تھے ان کا مزار تونسہ میں نواب بہاولپور ہی نے تعمیر کرایا تھا ۔ ان کی اولاد میں سے میاں اللہ بخش کے مریدوں کا سلسلہ بھی وسیع تھا ۔ مزار کی جائیداد خاصی تھی جس سے کئی نسلیں فائدہ اٹھا چکی ہیں ۔

باب ۳۰

ڈیرہ غازی خان کے بلوچ

پندرھویں صدی تک ڈیرہ غازیخان کا علاقہ ایک لق و دوق صحرا کے سوا کچھ نہ تھا - جو پنجاب کے جنوب میں دریائے سندھ کے کنارے انگڑائیاں لے رہا تھا - سلاطین دہلی اسے ملتان کا حصہ قرار دیتے رہے - تاہم اس میں آباد قبائل سے ان کا براہ راست کوئی واسطہ نہ تھا - ڈیرہ غازیخان کے ایک انگریز ڈپٹی کمشنر ایم ایل ڈیمز نے لکھا ہے کہ اس ضلع کی تاریخ کا آغاز رند بلوچیوں کی آمد سے ہوتا ہے - جن کے ایک سردار ملک سہراب ڈوڈئی کا تذکرہ فرشتہ نے بھی اپنی تاریخ میں کیا ہے - وہ ملتان کے لنگاہ خاندان کے سلطان حسین کا ملازم تھا اس نے سلطان سے دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ بے شمار اراضی حاصل کر لی - گورچانی اور میرانی اسی ڈوڈئی قبیلہ کی شاخ

ہیں - ڈیرہ غازیخان کے جنوب میں نہر بھی آباد تھے - انہوں نے راجن پور اور جام پور وغیرہ پر قبضہ کر رکھا تھا -

رند بلوچ سولہویں صدی کے آغاز تک اس علاقہ میں آ کر آباد ہوتے رہے - انہوں نے تیس برس تک لشاری قبیلہ کے ساتھ جنگ کی - اس کے علاوہ مغلوں اور ترکوں کا بھی مقابلہ کیا - ان کے ایک سردار کا نام میر چاکر تھا - جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ہمایوں کے ساتھ جا ملا تھا اور اس کے ساتھ ہی دہلی جا پہنچا تھا - رفتہ رفتہ بلوچی نہ صرف ڈیرہ غازیخان بلکہ ڈیرہ اسماعیل خان ، مظفر گڑھ ، منٹگمری، سرگودہا اور بہاولپور میں پھیل گئے - میر چاکر کا مقبرہ اب بھی ساہیوال (منٹگمری) کے ایک مقام ست گھرہ میں موجود ہے -

ڈیرہ غازیخان میں یوں تو بے شمار قبائل آباد ہیں لیکن منت کاٹی اور میرانی قبیلوں نے انگریز کا ہر قدم پر ساتھ دیا - اور صلہ میں جاگیریں ، زمینداریاں ، خطابات اور انعام و اکرام وصول کئے - ''روسائے پنجاب،، کے انگریز مصنف نے لکھا ہے کہ پنجاب میں شائد ہی کوئی خاندان ہمارا اتنا وفا شعار اور اطاعت گزار ہو جتنا ڈیرہ غازیخان کا بلوچ خاندان ہے -

ان قبائل میں سب سے بڑا قبیلہ مزاریوں کا ہے - کسی زمانہ میں اسے ''شورش پسند،، کہا جاتا تھا - لیکن جونہی وہ انگریز کا دم بھرنے لگا اسے معزز اور قابل فخر کہتے کہتے

انگریز کی زبان خشک ہونے لگی - مزاری کسی زمانہ میں ڈیرہ غازیخان کے پورے جنوبی علاقہ پر عمر کوٹ تک قابض تھے - اور ان کی ریاست کی سرحدیں سندھ اور بہاولپور کو چھوتی تھیں - اس قبیلہ کے کئی افراد شکارپور میں بھی آباد تھے - اس قبیلہ کے سربراہ کو ''تمندار،، کہا جاتا ہے - تمنداروں کا مورث اعلیٰ نواب بہرام خاں سی آئی ای تھا - شروع میں مزاری اپنے آپ کو بلوچیوں سے الگ سمجھتے تھے - وہ اپنا مورث اعلیٰ ہوت کو بتاتے ہیں - جو بلوچی نسل کی پانچ بڑی بڑی شاخوں میں سے ایک کا سربراہ تھا - ہوت کے ایک بیٹے علی کے دو لڑکے تھے صحاک اور پنوں - جب بلوچی پنجاب کے میدانوں میں اترے تو صحاک سندھ کے ایک شہر کشمور میں آباد ہو گیا - اس زمانہ میں مزاری بھمبھور کی پہاڑیوں کے قریب رہتے تھے - کشمور کی منڈی اجناس اور کپڑے کی خرید و فروخت کے لئے مشہور تھی - صحاک نے یہاں کاروبار شروع کیا اور بڑا فائدہ اٹھایا - اس کی شہرت دور دور تک پھیل گئی - مزاریوں نے اس کا ذکر اپنے سردار بزن سے کیا - ایک موقع پر جب مزاریوں کو کشمور کے لوگوں نے قید کر لیا تو بزن نے چار عورتیں صحاک کے پاس بھیجیں تاکہ ان کو چھڑا سکیں - صحاک نے حاکم سے سفارش کی جس پر چار آدمیوں کو رہا کر دیا گیا - اس سے خوش ہو کر بزن نے صحاک کو اپنے پاس آنے کی دعوت

دی ۔ جب ضحاک پہنچا تو مزاریوں نے اسے اپنا سردار منتخب کر لیا ۔ بزن نے خود اپنی پگڑی ضحاک کے سر پر باندھی اور اپنی لڑکی سے اس کی شادی کر دی ۔

ضحاک کے دو بیٹے تھے ۔ بڑے کا نام بلوچ تھا جس سے "بلوچانی" نکلا ہے اور چھوٹے کا نام شادین ۔ ضحاک کے بعد بلوچ اس کا وارث تھا ۔ لیکن اہل قبیلہ انتخاب کے قائل تھے انہوں نے بلوچ کے لڑکے رادھو کو اپنا سردار منتخب کر لیا ۔ تاہم انتخاب کے فوراً بعد زور کا جھکڑ چلا جس سے رادھو کی "ھری" یعنی جھونپڑی اڑ گئی ۔ اسے بد شگونی پر محمول کیا گیا ۔ چنانچہ انتخابات دوبارہ ہوئے اب کے شادین کے بڑے لڑکے بدھیل کو سربراہ بنا لیا گیا ۔ لیکن بدھیل نے کہا کہ پہلے میں اپنی ماں سے مشورہ کر لوں ۔ ماں نے تین شرطیں پیش کیں ۔ (۱) اگر کوئی مزاری دوسرے کو قتل کر دے یا بے عزت کرے (یعنی کسی لڑکی کو اغوا کر لے) تو اسے قبیلہ چھوڑ کر کم سے کم ایک سال تک جنگلوں میں رہنا ہوگا ۔ وہ اسی وقت واپس آ سکتا ہے جب زخم خوردہ خاندان اسے معاف کر دے ۔ (۲) اگر کوئی مہمان یا اجنبی آئے اور سردار کسی مزاری سے بھیڑ بکری لے کر اس کی تواضع کرے تو اس کی قیمت وصول نہیں کی جائے گی ۔ (۳) سردار کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ تمام اہل قبیلہ سے ٹیکس وصول کرے ۔

مزاریوں نے یہ شرائط فوراً قبول کر لیں اور بدھیل اس قبیلہ کا سردار بن گیا۔

بدھیل خان کے زمانہ ہی میں بلوچی میر چاکر کی سرداری میں وسطی پنجاب میں آ کر آباد ہونا شروع ہو گئے۔ لیکن ہیوتن نام کے جو بلوچی پہلے سے آباد تھے۔ انہوں نے میر چاکر کو مار بھگایا۔ وہ دہلی میں ہمایوں بادشاہ کے پاس جا کر ملازم ہو گیا۔ لیکن ابھی وہ تلمبہ (ملتان) پہنچا تھا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ کوئی ہے جو ہیوتن پر جا کر حملہ کرے اور میر چاکر کو سزا دے۔ لیکن جب کوئی تیار نہ ہوا تو بدھیل خان نے کہا میں خود جاؤنگا۔ چنانچہ وہ میر چاکر کے لڑکے صحاک اور ایک بوڑھے رند، ہجر خان کو ہمراہ لے کر ہیوتن پر حملہ آور ہوا۔ لیکن اس لڑائی میں رند اور ہجر دونوں مارے گئے۔ ہیوتن نے صحاک کی پسلیاں نکال لیں اور ان پر تھوکنے کے بعد ان کو آگ میں بھونا۔ ہجر خان رند کی لمبی سی داڑھی تھی۔ اس نے داڑھی اکھاڑ کر اس کی ''چوری،، بنائی جس سے مکھیاں جھلتے ہیں تاہم اس درندگی کا ثبوت دینے کے بعد اس پر ساری عمر دہشت سوار رہی۔ اس نے ڈر کے مارے اپنی داڑھی بھی مونڈ ڈالی تاکہ کوئی اس سے ہجر کا سا سلوک نہ کرے۔ ہیوتن کو زیادہ انتظار نہ دیکھنا پڑا۔ جونہی میر چاکر کو اطلاع ملی وہ

ست گھرہ سے مارچ کرتا ہوا آیا اور ہیوتن کو تہس نہس کر کے پہاڑوں میں بھگا دیا۔ ہیوتن ایک کھڈ میں گر کر ہلاک ہو گیا۔ لیکن ایک مزاری نے جو اس کا پیچھا کر رہا تھا اس کی لاش کھڈ میں سے نکالی اور اسے سردار میر چاکر کے پاس لے آیا۔ میر چاکر نے اس کا سر کاٹا اور اس کی کھوپڑی سے اپنے لئے ایک پیالہ بنایا۔

باب ۳۱

اٹک کے جاگیردار

اٹک کے علاقہ میں جو بڑے بڑے جاگیردار اور زمیندار آباد ہیں ان میں مکھڈی ، گھیبے ، کھٹڑ ، الپیال ، بنڈیال اور گوندل نمایاں ہیں ۔

مکھڈ کے خانوں کا مورث اعلیٰ غازی خاں تھا ۔ اس خاندان نے احمد شاہ ابدالی کے زمانہ میں عروج پایا ۔ عباس خان نے شادی خان کے خاندان کا خاتمہ کر کے خان آف مکھڈ کا لقب اختیار کر لیا تھا ۔ لیکن کچھ عرصہ بعد غلام مصطفیٰ خاں نے اس کے ورثا کو ختم کر کے قبیلہ کی قیادت خود سنبھال لی ۔ درانی بادشاہوں کے زمانہ میں یہ قبیلہ خراج کے طور پر صرف ۸۰ دنبے سلاطین دہلی کو پیش کیا کرتا تھا ۔ لیکن سکھوں کے عہد میں اس خراج نے نقدی کی صورت اختیار کر

لی تھی ۔ مکھڈ کے خوانین کو مالگزاری کا ۱/۸ حصہ دے کر باقی سکھ اٹھا کر لے جاتے تھے ۔ اسی حصہ میں محصول چنگی ، دریائے سندھ کی ریت سے نکالے ہوئے سونے کی آمدنی اور مکھڈ کے گھاٹ کی وصولی سب شامل تھے ۔ جب پنجاب کا الحاق عمل میں آیا تو چونگی معاف کر دی گئی اور مکھڈ کے خانوں کو مالگذاری کا ۱/۴ حصہ ملنے لگا ۔ اس کے علاوہ گھاٹ اور سونے کی آمدنی کا آٹھواں حصہ بھی ان کو دیا گیا ۔ ۴۹-۱۸۴۸ء کی شورش میں غلام مصطفیٰ خان نے انگریز سے غیر معمولی وفاداری کا اظہار کیا جس کے صلہ میں اسے راولپنڈی کے تین بڑے مالکان اراضی میں سے ایک تسلیم کر لیا گیا ۔ اس کے بیٹے کو بھی ''پنجاب کا بڑا سردار اور جاگیردار،، مان کر اسے آرمز ایکٹ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ۔ مکھڈ چونکہ سندھ کے ایک ایسے مقام پر واقع ہے جو انگریز کے زمانہ میں فوجی لحاظ سے اہم تھا اس لئے مکھڈ کے خوانین کی امداد بہت قیمتی خیال کی جاتی تھی ۔ مکھڈ کے پیروں نے بھی پنجاب کی سیاست پر کافی اثر ڈالا ہے ۔

کھٹڑ

اٹک اور فتح جنگ کی تحصیلوں میں کالا چٹا پہاڑ کے ساتھ ساتھ کھٹڑ قبیلہ کا اثر ہے ۔ اس کا مورث اعلیٰ عبداللہ خان تھا ۔ اہل قبیلہ کا دعویٰ ہے کہ وہ خراسان سے آئے ہیں اور

ان کا شجرۂ نسب قطب الدین ایبک سے جا ملتا ہے ۔ ایبک کا مقبرہ انارکلی کے پہلو میں ایبک روڈ پر زیر تعمیر ہے ۔ وہ لکھ داتا مشہور ہیں ۔ ایبک کے معنی ٹوٹی ہوئی انگلی ہے ۔ پولو کھیلتے ہوئے ہارے ان کی انگلی ٹوٹ گئی پھر وہ خود گھوڑے سے گر کر ہلاک ہو گئے ۔ وہ شہاب الدین غوری کے وائسرائے تھے ۔ اس کے بعد خاندان غلاماں کے بانی بن کر اسلامی ہند پر حکمران ہوئے ۔ تاہم کھٹڑوں کا ان سے کوئی واسطہ نہیں ۔ کھٹڑ راجپوت ہیں ۔ چوہان کے دو بیٹے تھے ۔ ہمیر اور پسین ۔ انہی کی اولاد اعوان بھی ہیں اور کھٹڑ بھی ۔ جب سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا تو چوہانوں نے اس کی امداد کی ۔ اسی قبیلہ کی ایک شاخ کا سردار کھٹڑ خاں تھا ۔ وہ محمد غوری کے پاس ملازم ہو گیا ۔ جب غوری نے پنجاب پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو کھٹڑ خاں بیوپاری کے لباس میں یہاں آیا اور اچانک نیلاب کے قلعہ کو فتح کرنے میں کامیاب رہا ۔ نیلاب اس زمانہ میں دریائے سندھ پر اٹک کے نیچے ایک با رونق شہر تھا ۔ اسی واقعہ کے بعد کھٹڑ خان کے تمام ساتھیوں نے اپنے قبیلہ کا نام کھٹڑ رکھ لیا ۔ وہ اٹک کے گورنر جنگ خان کے ماتحت تھے ۔ اس مرحلہ پر کھٹڑ مرتد بھی ہو گئے ۔ کہتے ہیں کہ کوئی جوگی نیلاب آیا اور اس نے کھٹڑوں کو بتوں کی پوجا کرنے کی ترغیب دی

جوگی جادوگر بھی تھا ۔ اس نے کھٹڑیوں پر کچھ ایسا جادو کیا کہ ان کے مویشی دودھ کی بجائے خون دینے لگے جب عیسیٰ عبدالوہاب کو اوچ (بہاولپور) میں اس کی خبر ملی تو اس نے اپنے بیٹے شاہ نور عبدالرحمان کو بھیجا تا کہ کھٹڑوں کو شدھی سے بچائے ۔ وہ نیلاب پہنچا تو شہر داخل ہونے سے پہلے اسے ایک بڑھیا ملی ۔ اس نے پینے کے لئے دودھ مانگا تو بڑھیا نے بتایا کہ اس شہر پر کس طرح ایک آفت ٹوٹ پڑی ہے ۔ شاہ نور عبدالرحمان نے کہا کہ میں خود گائے کو دوہ کر دیکھوں گا ۔ لوگوں نے بڑا منع کیا لیکن اس نے تھنوں کو ہاتھ لگایا تو خون کی بجائے سفید شیریں دودھ نکلا ۔ اس پر شاہ نور کی دھاک بیٹھ گئی اور لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے ۔ جب جوگی کو پتہ چلا تو اس نے ایک پرندے کا دھارن لیا اور اڑتا ہوا شاہ نور کو دیکھنے آیا ۔ شاہ نور تاڑ گیا ۔ اس نے پرندے کو کس کر اپنا جوتا مارا جس سے وہ مر گیا اور لوگ جادو کے پھندے سے آزاد ہو گئے ۔ یہ کہانی اعوانوں اور کھٹڑوں دونوں میں مشہور ہے ۔ ممکن ہے وہ ارتداد کے بعد تبلیغ سے پھر مسلمان ہو گئے ہوں ۔

کھٹڑ خاں کے چھ بیٹے تھے جو تین پشتوں تک راولپنڈی سے دریائے سندھ تک تمام اراضی پر قابض رہے ۔ گھیبوں اور اعوانوں کی طرح انہوں نے بھی پہلے سکھوں کا مقابلہ کیا ۔

اور پھر ان کے جاگیردار بن گئے ۔ انگریزوں کے زمانہ میں ان کی جاگیریں اور زمینداریاں پختہ ہو گئیں ۔ کھٹڑوں میں سے سردار سکندر حیات سردار شوکت حیات وغیرہ سیاستدان ہیں ۔

الپیال

فتح جنگ کی تحصیل کا جنوبی حصہ الپیال کے قبضہ میں ہے ۔ وہ بھی راجپوت قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں ۔ وہ چودھویں صدی میں یہاں آئے اور پہلے خوشاب اور تلہ گنگ کے علاقے میں گھومتے رہے پھر موجودہ مقام پر آ کر آباد ہو گئے ۔ ان میں سے چکری کے چودھری مشہور ہیں ۔ پنجاب کے الحاق کے وقت چودھری شیر خان ان کا سردار تھا ۔ شیر خان نے انگریز کی نمایاں خدمات انجام دیں جس کے صلہ میں اسے پنشن اور مالیہ معاف زمین ملی ۔ جنگ آزادی میں مجاہدین کے خلاف صف آرا ہونے کے عوض انگریز نے اسے جاگیر کے علاوہ بے شمار انعام و اکرام دیئے ۔

واہ کی کھٹڑ فیملی میں خان محمد اسلم حیات خاں مشہور ہوئے ۔ وہ کھٹڑ خاں کے چوتھے بیٹے کی اولاد تھے ۔ انہوں نے گھوڑ سواروں اور پیدل فوج سے نکلسن کی مدد کی ۔ واہ میں ان کا مکان عطر سنگھ اٹاری والہ نے جلا کر خاک کر دیا تھا ۔ ان کے خاندان نے سکھوں کے خلاف انگریز کا پورا ساتھ دیا ۔ جس کا ان کو انعام ملا ۔ واہ کی زمینوں کی ملکیت

اب بہت سے وارثوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔

گھیبے

گھیبے پنجاب میں سیالوں اور ٹوانوں کے ساتھ ہی آئے تھے۔ وہ وادیٔ سوان اور سندھ کے درمیان آباد ہوئے ان کے پرگنے فتح جنگ اور پنڈی گھیب کہلاتے ہیں۔ یہاں بیٹھ کر انہوں نے اعوانوں، گکھڑوں اور جودھروں سے لڑائی کی۔ وہ احمد شاہ ابدالی کے حملوں سے تو محفوظ رہے۔ لیکن سکھوں نے ان پر چڑھائی کی۔ اور ان کے سردار رائے جلال کو اپنا باجگزار بنا لیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ان کو جاگیریں اور معافیاں دیں۔ ۱۸۴۸-۴۹ء میں وہ نکلسن اور ایبٹ کے ساتھی تھے۔ اس طرح جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں بھی انہوں نے انگریز کا ساتھ دیا اس کے عوض ان کو جاگیریں اور زمینداریاں بخش دی گئیں۔ سلطان فتح خاں سولہ دیہات کا مالک تھا۔ اس کا شمار ان تین بڑے زمینداروں میں ہوتا تھا جو آرمز ایکٹ سے مستثنیٰ تھے۔ اس وقت بھی گھیبے اٹک کے ضلع میں سب سے بڑے زمیندار کہلاتے ہیں۔

گوندل

ہمایوں کے عہد میں کھٹڑ قبیلہ کا ایک فرد محمد صادق دہلی سے چھچھہ آیا اور اٹک سے چھ میل دور اس نے فتو چک کی بنیاد رکھی۔ اس نے پشاور کی شاہراہ پر گوندل اور کئی

دوسرے دیہات آباد کئے - بادشاہ نے اسے جاگیریں دیں
چھاچھیوں میں محمد صادق بہت پڑھا لکھا آدمی تھا - اسے
قاضی بنا دیا گیا - ۱۸۴۸ء میں سکھوں نے اس خاندان کو
کافی نقصان پہنچایا اور اس کے تمام کاغذات ضائع کر دیئے -
لیکن جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں انگریز کا ساتھ دینے پر اس کے
سربراہ کو جاگیروں ، معافیوں ، خلعتوں اور عہدوں سے نوازا
گیا - اس وقت قاضی فضل احمد قبیلہ کا سردار تھا - یہ
مراعات اب بھی چلی آ رہی ہیں -

باب ۳۲

بلوچستان کے سردار

آنیسویں صدی کے وسط میں جب انگریز نے شمال مغربی ہندوستان پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لئے صوبوں کو از سر نو تقسیم کیا تو جو قبائلی ڈیرہ غازی خاں سے خیرپور (سندھ) تک پھیلے ہوئے تھے وہ زیادہ تر بلوچستان اور سرحد کے پہاڑی علاقوں میں سمٹ کر رہ گئے۔ ان قبائلیوں کے حسب و نسب کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آن کی اکثریت نواب جلال خاں کی اولاد پر مشتمل ہے۔ نواب جلال خاں (جس کا تذکرہ پچھلے ابواب میں ہو چکا ہے) کے چار بیٹے تھے۔ رند، لشار، ہوت اور کورائی۔ رفتہ رفتہ آن کی اولاد کئی ذیلی قبیلوں میں بٹ کر رہ گئی۔ ۱۹۶۰ء کی مردم شماری کی رو سے بلوچستان میں ۱۸ اصل بلوچی،

۲۸ بروہی اور ۱۳ پٹھان قبائل آباد ہیں ۔

افغان جنگوں کے زمانہ میں جب انگریز کابل کی طرف بڑھنے لگے تو رستہ میں بروہیوں نے اُن کا مقابلہ کیا ۔ انگریز نے اُن کو سزا دینے کے لئے سر رابرٹ سنڈیمن کو بلوچستان میں اپنا پہلا ایجنٹ بنا کر بھیجا ۔ اُس نے ان قبائل کی ہیئت ترکیبی کا مطالعہ کیا تو اُسے برطانوی راج کی جڑیں مضبوط کرنے کے لئے سازگار پایا ۔ اُس نے قبائلیوں کو یکجا کر کے تمام سرداروں میں سے ایک کو ”بڑا سردار“ بنایا اورکا تقرر اپنے ہاتھ میں لے لیا ۔ اس طرح بلوچستان میں ”شاہی جرگہ“ کی بنیاد پڑی اور قلات ، مکران ، فاران اور لس بیلہ کی ریاستیں وجود میں آئیں ۔ ان چاروں ریاستوں میں ہر قبیلہ کا سردار حکومت برطانیہ خود مقرر کرتی ۔ اور اُسے اعزاز و اکرام سے سرفراز کرنے کے بعد اپنے مقصد کے لئے استعمال کرتی ۔ ان میں سے ہر سردار اپنے علاقے میں خود مختار ہوتا ۔ لیکن انگریز کے سامنے اُسکی حیثیت یہ تھی ایک مرتبہ سالانہ دربار کے موقع پر لاٹ صاحب نے خواہش ظاہر کی کہ اُن کی بگھی میں گھوڑوں کی بجائے سردار صاحبان خود جت جائیں ۔ اور اُن کو بنگلہ سے دربار تک لے جائیں ۔ میر عبدالباقی بلوچ کا بیان ہے (نوائے وقت ۲۲ جنوری ۱۹۷۳ء) کہ سردار مری کے سوا تمام سرداروں نے حاکم اعلیٰ کی

اس خواہش کو اپنے لئے فخر و مباہات کا موجب گردانا۔ اور لاٹ صاحب کو خوش کرنے کے لئے تمام سردار بگھی میں جت گئے۔ اس موضوع پر بلوچی میں ایک نظم بھی ہے۔

ان قبائلی سرداروں کا نظام بے حد ظالمانہ ہے۔ سردار ایک طرح سے تمام قبائلیوں کی روح و جسم کا مالک ہوتا ہے۔ تمام عدالتی اور انتظامی اختیارات بھی اُسی کے پاس ہوتے ہیں۔ اُسکی مرضی کو ''رواج،، کا نام دیا جاتا ہے۔ ہر سردار نے اپنے علاقہ میں ''ڈکری،، یا معتبر رکھے ہوتے ہیں۔ وہ تمام لوگوں سے الگ الگ ٹیکس وصول کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ طرح طرح کی بیگار بھی لی جاتی ہے۔ مثلاً اونٹوں کی بیگار، بیلوں کی بیگار۔ عوام کو ''رعیت،، کہا جاتا ہے اور اُن سے پیداوار کے چھٹے حصے کے علاوہ تحفے تحائف اور ''مہمانی،، کے نام پر نقدی اور مزید اجناس بھی بٹور لی جاتی ہے۔ اگر کسی شخص کو بلا وجہ قتل کر دیا جائے تو ''خون بہا،، بھی تین سو روپے سے زیادہ نہیں ہے۔ پرانے زمانے میں ''بجر،، نام ایک تعزیری ٹیکس عائد کیا جاتا تھا جس کی رقم ''اجتماعی مقاصد،، پر خرچ ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ طرح طرح کے ٹیکس عائد ہیں۔ مثلاً ''شلوار ٹیکس،، اس وقت وصول کیا جاتا ہے جب کسی سردار کا بیٹا بڑا ہو کر ''شلوار،، پہننے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ''شیشک،، ٹیکس ہے

جس کے تحت پیداوار کا ۱/۶ حصہ سردار ہتھیا لیتا ہے - پھر ''پش،، ٹیکس ہے جو چٹائیاں بننے والے خود رو کھجور کے ریشے پر عائد کیا جاتا ہے -

سرحد کی طرح بلوچستان میں بھی سرداروں نے اپنے قید خانے بنا رکھے ہیں جن میں قیدیوں کو ''کاٹھ،، (لکڑی کا پھندا) مار کر رکھا جاتا ہے - اگرچہ ''ہجر،، اور ''کاٹھ،، یعنی جرمانے اور قید کی سزائیں اب منسوخ ہو چکی ہیں تاہم خفیہ طور پر اب بھی مروج ہیں - کچھی میں ایک خفیہ قید خانہ مارشل لا کے دنوں میں دریافت ہوا تھا -

بلوچستان میں سرداری ایک مخصوص خاندان تک محدود ہے جس کو ''سردار خیل،، کہتے ہیں - سردار کا بڑا بیٹا اُس کا وارث ہوتا ہے لیکن پٹھانوں میں سرداری کا فیصلہ ''جرگہ،، کرتا ہے اور جو بیٹا بھی موزوں نظر آئے اُسے سردار منتخب کر لیا جاتا ہے - بگٹی قبیلہ میں سرداری صرف روہیجیوں کے لئے مخصوص ہے -

خان آف قلات نے بلوچستان کی چاروں ریاستوں کو ملا کر جو وفاق قائم کر رکھا تھا اُس کی اہمیت مغربی پاکستان کی وحدت کے زمانہ میں ختم ہو گئی - اسلئے اب مختلف قبائل جا بجا پھر سر اُٹھا رہے ہیں - ان میں بگٹی ، زہری ، مری ، رئیسانی ، اور مینگل نمایاں ہیں - مارشل لا نمبر ۱۱۷ کے تحت

اگرچہ پٹ فیڈر کی تمام اراضی بے زمین کاشتکاروں اور مزارعوں میں تقسیم کی جا رہی ہے اور کوئلہ اور سنگ مرمر کی کانوں کو بھی سرکاری تحویل میں لینے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ تاہم اقتدار کی جنگ برابر جاری ہے۔ کوئلہ اور سنگ مرمر کی کانوں پر زیادہ تر لسبیلہ کے نواب قادر بخش، نبی بخش زہری اور اکبر بگٹی کا قبضہ ہے۔ اُن کے کارخانوں میں کئی مرتبہ فساد بھی ہو چکے ہیں۔ اسی طرح پٹ فیڈر کے قریب و جوار کے قبائل زمین کی ملکیت کے سوال پر جھگڑا کر چکے ہیں۔ ملکیت کا یہی تنازع سیاسی رنگ اختیار کر رہا ہے۔ بعض سرداروں نے ''آزاد بلوچستان،، کا نعرہ لگایا ہے۔ جس کی بازگشت ''لنڈن پلان،، کی صورت میں سنی گئی۔ فروری ۱۹۷۳ء کے اوائل میں روسی ساخت کے اسلحہ کی ایک بڑی کھیپ بھی اسلام آباد میں عراقی سفارت خانے سے پکڑی گئی۔ اس کے علاوہ سرحد اور بلوچستان میں بیرونی اسلحہ کی تقسیم وسیع پیمانے پر ہو رہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بعض بیرونی طاقتوں کی انگیخت پر پاکستان اور ایران کے بلوچی ''آزاد بلوچستان،، کے قیام کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ حکومت نے اس خطرہ کے پیش نظر بلوچستان کی وزارت کو برطرف کر دیا ہے۔ تاہم پاکستان میں ''سرداری نظام،، کو ختم کرنے کے لئے

آرڈی ننس جاری ہو چکا ہے ۔ کانوں کو قومی ملکیت میں لیا جا رہا ہے اور پٹ فیڈر کی زمینیں عوام میں بانٹی جا رہی ہیں بلوچستان رقبہ میں سندھ سے تقریباً دگنا ہے ۔ ایک لاکھ ۵۳ ہزار مربع میل کے اس علاقہ میں صرف ۱۵ لاکھ نفوس آباد ہیں ۔ لیکن وہ زرعی ، صنعتی اور معدنی دولت سے مالا مال ہے ۔ اگر جاگیردارانہ نظام کو ملیامیٹ کرنے کے بعد اسے پاکستان کے دوسرے صوبوں کی سطح پر لایا جائے تو قومی دولت میں بے پناہ اضافہ ہو سکتا ہے ۔ سندھ میں ہب ، پرائی ، ہنگول ، تل اور دشت بہت سی ندیاں ہیں ۔ ان سب کا پانی ضائع جا رہا ہے ۔ اگر جا بجا بند باندھ دیئے جائیں تو ''دشت'' کو بھی ''مرغزار'' بنایا جا سکتا ہے گدو بیراج کی بدولت سبی کے دو لاکھ ایکڑ زیر کاشت لائے جا چکے ہیں کوئی وجہ نہیں کہ دوسری زمینوں کو بھی آباد نہ کیا جا سکے ۔ زراعت کے علاوہ ماہی گیری ، ریشم اور اون سازی ، قدرتی گیس اور معدنیات کو فروغ دیا جا سکتا ہے ۔ پھر کئی جگہ سے نئی کانیں دریافت ہو رہی ہیں ۔ اگر تحقیق و جستجو کا سلسلہ جاری رہا تو بے شمار قدرتی خزائن منظر عام پر آئیں گے جن سے پاکستان مالا مال ہو سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس ''سرداریت'' کا خاتمہ ہو جس نے سیاست کے روپ میں صوبے کے خرمن امن میں آگ لگا رکھی ہے ۔

باب ۳۳

ایوب خاں کی اصلاحات اراضی

گذشتہ ابواب میں پاکستان کے دیہہ خداؤں کا شجرۂ نسب اس لئے پیش نہیں کیا گیا کہ تاریخ میں ان کے آباؤ اجداد کے کردار کو آجاگر کیا جائے۔ بلکہ بتانا یہ مقصود تھا کہ اس وقت پاکستان میں جو لوگ بڑے بڑے قطعات اراضی پر قابض ہیں۔ اُن میں اکثریت ایسوں کی ہے جنھوں نے زمین اپنی جائز اور حلال کی کمائی سے نہیں خریدی بلکہ یا تو وراثت میں پائی ہے یا ان کو عطیہ اور انعام ملا ہے۔ جن لوگوں کے مالکانہ حقوق موزتی ہیں ان کے اب وجد پانچ دریاؤں کی سر زمین میں وارد ہوئے اور یہاں قبیلوی جنگوں میں الجھ کر اور مار دھاڑ کر کے بیشتر اراضی پر قابض ہو گئے۔ جن لوگوں کو عطیہ ملا انہوں نے یا تو زمانہ سازی سے کام لیا اور سکھ یا

انگریز حملہ آوروں سے مل کر اپنے ہموطنوں سے غداری کی اور خفیہ اطلاعات بہم پہنچا کر یا فوج میں بھرتی ہو کر جاگیریں حاصل کیں اور بڑی بڑی زمینداریاں قائم کر لیں یا قیام پاکستان کے بعد متروکہ اراضی (بالاستحقاق یا بلا استحقاق) اپنے نام منتقل کرا لی - اس کے بعد جب صدر ایوب کا دور آیا تو فوجی حکومت کی جڑیں مضبوط کرنے کے صلہ میں بیراجوں اور سرحدی علاقوں میں نہ صرف کئی کئی مربعے الاٹ کرا لئے بلکہ ان کی ترقی و نمود بھی سرکاری خرچ پر کی - یوں تو اس کی بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں - لیکن لاہور اور قصور کی سرحد پر جو کچھ ہوا اس کا تذکرہ اخبارات میں آ چکا ہے - جرنیلوں کے علاوہ ایک سابق وزیر زراعت کا ''ماڈل فارم'' ہی پکار پکار کہہ رہا ہے کہ اس کی آرائش اور چمن بندی فلاں فلاں محکمہ کی مرہون منت ہے -

جیسا کہ ان مضامین کی ابتدا میں بتایا جا چکا ہے زراعت شماری کی رو سے مغربی پاکستان میں انچاس لاکھ کھیت ہیں جن کو تین درجوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے -

۱- چھوٹے کھیت - یعنی پانچ ایکڑ سے کم - ان کی تعداد ۲۳ لاکھ ہے - گویا کل کھیتوں کا ۴۹ فیصد - ان چھوٹے چھوٹے کھیتوں کا مجموعی رقبہ ۶۳ لاکھ ایکڑ ہے یا یوں

کھیئے کہ پورے رقبۂ زیر کاشت کا ۹ فیصد چھوٹے چھوٹے کھیتوں میں بٹا ہوا ہے۔

۲۔ درمیانہ درجہ کے کھیت۔ جن کا رقبہ ۵ سے ۲۵ ایکڑ تک ہے۔ ان کی تعداد ۲۱ لاکھ ہے۔ گویا تمام کھیتوں کا ۴۳ فیصد۔ درمیانہ درجہ کے ان کھیتوں کا مجموعی رقبہ دو کروڑ ۳۳ لاکھ ایکڑ ہے گویا پورے رقبہ کا ۴۸ فیصد۔

۳۔ بڑے کھیت۔ جن کا رقبہ ۲۵ ایکڑ سے اوپر ہے۔ یہ تعداد میں صرف چار لاکھ ہیں۔ گویا تمام کھیتوں کا آٹھ فیصد۔ ان بڑے کھیتوں کا رقبہ دو کروڑ دس لاکھ ایکڑ ہے۔ گویا پورے رقبہ کا ۴۳ فیصد۔

ان اعداد و شمار سے ظاہر ہے کہ ۹۲ فیصد کھیت چھوٹے چھوٹے یا درمیانہ درجہ کے ہیں۔ ان کے باوجود ان کا رقبہ ۵۷ فیصد سے زیادہ نہیں۔ پھر چھوٹے کھیتوں کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کا اوسط رقبہ ۱۰۸ ایکڑ سے بھی کم ہے۔ اسی طرح درمیانہ درجہ کے کھیتوں کا رقبہ ۱۱۴۳ ایکڑ ہے۔ ان دونوں کے مقابلہ میں بڑے بڑے کھیتوں کے رقبے کا اوسط ۵۳۰۹ سے کم نہیں۔

جہاں تک ملکیت اراضی کا تعلق ہے وہ اس سے بھی زیادہ تشویشناک ہے۔ مغربی پاکستان میں خود کاشت مالکان اراضی کی تعداد بیس لاکھ ہے۔ گویا کل مالکان اراضی کا

۱۴ فیصد ۔ ان لوگوں کے پاس ایک کروڑ ستاسی لاکھ ایکڑ زمین ہے یا مجموعی رقبہ کا ۳۸ فیصد ۔ اس کے بر عکس جو لوگ مالک ہیں اور کاشت دوسروں سے کراتے ہیں ان کی تعداد ۸ لاکھ ہے ۔ گویا کل مالکان اراضی کا ۱۷ فیصد۔ ان لوگوں کے پاس ایک کروڑ دس لاکھ ایکڑ زمین ہے یا مجموعی رقبہ کا ۳۳ فیصد ۔ ان دونوں کے مقابلہ میں مزارعوں کی تعدادا ۲۱ لاکھ ہے ۔ گویا کل کاشت کاروں کا ۴۲ فیصد ۔ ان کے پاس ایک کروڑ ۹۱ لاکھ ایکڑ زمین ہے ۔ گویا مجموعی رقبہ کا ۳۹ فیصد ۔

اب مزارعت اور رقبہ کے لحاظ سے کھیتوں کی درجہ بندی کیجئے تو ذیل کا نقشہ ظہور میں آئے گا ۔

چھوٹے کھیت

	تعداد میں	فیصد
خود کاشت مالک	۱٫۲	۶۰
مالک و مزارع	۰٫۲	۳۳
مزارع	۰٫۹	۴۶

درمیانہ کھیت

تعداد ملین	فیصد
۰٫۷	۳۳
۰٫۴	۵۵
۱٫۰	۴۷

بڑے کھیت

تعداد ملین	فیصد
۰٫۱	۷
۰٫۱	۱۲
۰٫۲	۷

ان تمام نقشوں پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ مغربی پاکستان کی بیشتر اراضی پر یا تو بڑے بڑے رقبوں کے مالک دھرنا مارے بیٹھے ہیں جو خود کاشت نہیں کرتے، دوسروں سے کراتے ہیں یا وہ چھوٹے چھوٹے رقبوں میں بٹ کر رہ گئی ہے جس پر کاشت کاری کسی طرح بھی نفع بخش نہیں ہو سکتی - ملکیت اراضی کی اس غیر مساویانہ تقسیم کا اثر لازمی طور پر پیداوار پر پڑتا ہے - بڑے زمیندار اپنے پورے رقبہ کو زیر کاشت نہیں لاتے بلکہ وہ خزانے پر سانپ بن کر بیٹھے ہوتے ہیں - ان کی اکثریت ''غائب باش،، ہے - وہ دیہات کی بجائے شہروں میں بود و باش رکھتے ہیں اور ان کی دلچسپی کھیت سے زیادہ سیاست اور افسر شاہی سے وابستہ ہوتی ہے مزارعوں کو چونکہ حق ملکیت حاصل نہیں ہے اور ان کی محنت کا ۷۵ سے ۹۰ فیصد ثمرہ مالکان اراضی اٹھا کر لے جاتے ہیں اس لئے وہ کبھی پوری دل جمعی سے کام نہیں لیتے اس تشویشناک صورت حال کا احساس ایوب حکومت کو ہوا تھا - اس نے ایک ''لینڈ ریفارم کمشن،، مقرر کیا جس نے ۱۹۵۹ء کے اوائل میں اپنی رپورٹ سابق صدر کو پیش کر دی - اس رپورٹ کی بنیاد پر فروری ۱۹۵۹ء میں مارشل لاء ریگولیشن نمبر ۶۴ نافذ کیا گیا، جسے بعد میں مارشل لاء ریگولیشن نمبر ۶۴ - الف و ب کے ذریعے ترمیم کیا گیا - مارشل لاء

ریگولیشن نمبر ۶۴ کے ذریعہ نافذ شدہ زرعی اصلاحات کے تحت:

۱- زرعی اصلاحات کی حد ملکیت ۵۰۰ ایکڑ نہری یا ۱۰۰۰ ایکڑ بارانی یا ۳۶۰۰۰ ایکڑ پروڈیوس انڈیکس یونٹ جو بھی زیادہ ہو فی کس مقرر کی گئی -

۲- ۸ اکتوبر ۱۹۵۸ء کے بعد اگر کسی ایسے زمیندار نے جس کی اراضی مقررہ شدہ حد ملکیت سے زیادہ تھی اور اس نے اپنی اراضی یا کچھ حصہ رہن، بیع یا ہبہ کیا تھا تو وہ رہن ، بیع یا ہبہ کالعدم قرار دیا گیا -

۳- مذکورہ بالا حد ملکیت اراضی سے یونیورسٹیوں اور منظور شدہ تعلیمی اداروں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا -

۴- دینی اور رفاعی اداروں کو بھی مقرر شدہ حد ملکیت اراضی سے مستثنیٰ کیا گیا -

۵- گھوڑی پال ، گائے پال اور بکری پال فارموں کے مالکان کو بھی اس حد ملکیت اراضی سے فارموں میں استعمال آنے والی اراضی کی حد تک مستثنیٰ قرار دیا گیا -

۶- مالکان اراضی کو اختیار دیا گیا کہ مقررہ شدہ حد ملکیت اراضی کے علاوہ ۱۵۰ ایکڑ اراضی تک باغات کے مالک رہ سکتے تھے -

۷- مالک اراضی کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ حد ملکیت اراضی میں سے ۱۸۰۰۰ پروڈیوس انڈیکس یونٹ تک اراضی

اپنے ورثا میں تقسیم کر سکتا تھا ۔ اس کے علاوہ ایسی مستورات جن کا وہ کفیل ہو ان کو ۶۰۰۰ پروڈیوس انڈیکس یونٹ تک منتقل کر سکتا تھا ۔

۸۔ مندرجہ بالا حد ملکیت اراضی اور مستثنیات کے تحت آمدہ اراضی کے علاوہ تمام اراضی مالکان سے حاصل کر لی گئی اور ایک مقررہ فارمولا کے تحت حاصل کردہ اراضی کا معاوضہ مالکان اراضی کر دیا گیا ۔

۹۔ حاصل کردہ اراضی مزارعین اور گذارہ ملکیت سے کم کے مالکان کے پاس فروخت کرنا ممنوع قرار پایا اور فروخت کے وقت قابض مزارعین کا حق فائق تصور کیا گیا ۔

۱۰۔ غیر اقتصادی ملکیتوں کی فروخت اور تقسیم وغیرہ پر پابندی عائد کی گئی ۔

۱۱۔ مزارعین کی بیدخلی کے متعلق مروجہ قوانین کو جاری رکھا گیا ۔

ان اصلاحات کے تحت مغربی پاکستان میں ۵۲۱۸ مالکان اراضی نے گوشوارے داخل کئے جن میں ۷۵۵ مالکان اراضی متاثر ہوئے ۔ ان مالکان نے ۳۹۸۶۲۸۶ ایکڑ اراضی کے گوشوارے داخل کئے جن میں ۲۱۹۵۳۰۴ ایکڑ اراضی حاصل کی گئی ۔ اس میں سے ۸۸۱۵۱۷ ایکڑ اراضی زیر کاشت تھی ، جس میں سے ۵۶۹۲۱۸ ایکڑ اراضی مزارعین کاشت

کر رہے تھے ، بقایا خود کاشت تھی ، ۱۲۲۳۷۸۷ ایکڑ رقبہ غیر کاشتہ تھا جس میں سے ۶۷۶۳۱۲ ایکڑ بنجر مگر قابل کاشت ۲۱۵۹۱۴ ایکڑ جنگلات ، ۱۳۴۸۸۲ ایکڑ پہاڑی ، ۱۰۲۱۶۹ ایکڑ دریاؤں کی تہہ میں اور ۱۱۴۵۰۶ ایکڑ رقبہ ناقابل کاشت تھا ۔

حاصل کردہ اراضی میں سے ۴۰۹۷۶ ایکڑ اراضی مالکان اراضی کو گھوڑی پال ، گائے پال ، بھیڑ پال فارموں کے لئے پٹہ پر دے دی گئی ۔ ۲۶۴۹۷۶ ایکڑ اراضی حکومت کے مختلف محکموں کے نام منتقل کر دی گئی ۔ ۶۵۱۵۱۱ ایکڑ اراضی ۵۶۹۰۶ مزارعین کے ہاتھ فروخت کی گئی اور ۲۵۷۰۸ ایکڑ اراضی ۲۱۶۱ چھوٹے مالکان اراضی کے ہاتھ فروخت کی گئی ۔

متاثرہ زمینداروں کی تعداد جیسا کہ بیان کیا گیا ہے ۷۵۵ تھی ۔ ان کے پاس ۱۴۵۸۹۷۳ ایکڑ اراضی حد ملکیت اراضی کے لحاظ سے رہی ۔ اس کے علاوہ باغات کی شکل میں ۵۲۳۷ ایکڑ اراضی بھی ان کے پاس رہی ۔ زمینداروں نے اس کے علاوہ ۳۹۷۲۸ ایکڑ اراضی اپنے ورثا میں تقسیم کی اور ۲۲۲۸۱ ایکڑ اراضی اپنی زیر کفالت مستورات کے نام منتقل کی ۔ حاصل کردہ اراضی میں سے ۶ زمینداروں کو جن میں پانچ کا تعاق صوبہ سندھ سے ہے اور ایک کا بہاولپور سے ، ۱۵۳۹۵۵

ایکڑ اراضی کا منیجر مقرر کیا گیا اور یہ اراضیات شکارگاہیں متصور ہوئیں - یہ اراضیات ویسے اصلاحات سے قبل انہی زمینداروں کی ملکیت تھیں مختصر یہ کہ ان اصلاحات سے ۵۶۹۰۲ مزارعین اور ۲۵۶۱ چھوٹے مالکان کو فائدہ پہنچا اور انہیں مجموعی طور پر ۶۷۷۱۱۹ ایکڑ اراضی دستیاب ہوئی -

تاہم بحثیت مجموعی ایوب زرعی اصلاحات کے نتیجہ میں پرنالہ وہیں کا وہیں رہا - کیونکہ اراضی ہیر پھیر کر بڑے زمینداروں کے پاس رہی - جن لوگوں پر ان اصلاحات کا اثر پڑ سکتا ہے ان میں سے صرف پانچ ہزار نے اپنے رقبہ کا اعلان کیا جو ۵۵ لاکھ ایکڑ سے آگے نہ بڑھا (حالانکہ تمام زمیندار صحیح صورتحال بتاتے تو یہ رقبہ ۷۴ لاکھ ایکڑ ہونا چاہیے تھا) بایں ہمہ ظاہر کردہ رقبہ میں سے بھی حکومت کے حوالے صرف ۲۴ لاکھ ایکڑ کئے گئے - ان میں سے بھی ساڑھے سات لاکھ ایکڑ ۲ لاکھ مزارعوں کو فروخت کئے گئے - باقی رقبہ میں سے ساڑھے سولہ لاکھ ایکڑ یا تو نیلام کر دئے گئے یا سرکاری محکموں کو دیدئے گئے یا شکارگاہوں کے لئے مخصوص کر دئے گئے - جہاں تک بڑے زمینداروں کے ورثا اور عزیز و اقارب کا تعلق ہے ان کو ۴ لاکھ ۲۰ ہزار ایکڑ دئے گئے - اس طرح ایوب حکومت کے خاتمہ تک ساڑھے سات لاکھ ایکڑ زمین ایسی تھی جس کے متعلق تب تک کوئی فیصلہ نہ ہوا تھا - غرض

ایوبی دور کی زرعی اصلاحات نے مزارعوں کا مسئلہ حل کرنے میں کوئی مدد نہ کی - جس ملک میں ۲۰ لاکھ بے زمین کاشتکار خاندان ہوں اس میں اگر صرف ۲ لاکھ افراد کو زمین دیدیجائے تو زرعی اصلاحات کا کیا فائدہ ؟ ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ جن زمینداروں کو جاگیردارانہ قوت کو ختم کرنے کا دعویٰ کیا گیا تھا - ان کو اپنا ۶۷ فیصد رقبہ ہیر پھیر کر اپنے پاس ہی رکھنے کی اجازت دیدی گئی - پھر کون نہیں جانتا کہ جو زمین حکومت کے حوالے کی گئی وہ انتہائی ناقص اور ناقابل کاشت تھی - یہی وجہ ہے کہ ۲۴ لاکھ ایکڑ حاصل کردہ زمین میں سے صرف چار لاکھ ساٹھ ہزار ایکڑ مزارعین نے خریدی باقی ۳۲ فیصد انہوں نے ناقابل استعمال قرار دے کر مسترد کر دی لطف یہ ہے کہ جو ۱۸ فیصد رقبہ شکارگاہوں کے لئے مخصوص کیا گیا ہے وہ انتہائی زرخیز تھا اور اسے سرکاری افسروں کی چشم پوشی کے طفیل حکومت کے حوالے نہیں کیا گیا - یہی حال ایوبی دور کی دوسری زرعی اصلاحات کا ہے - اشتمال اراضی کی بیل بھی منڈھے نہ چڑھ سکی اور زراعتی ترقیاتی بنک نے چھوٹے کاشتکاروں کو امدادی روپیہ بھی نہ دیا - بلکہ تمام قرضے بڑے زمینداروں کی جھولی میں ڈال دیئے -

باب ۳۴

عوامی دور کی زرعی اصلاحات

صدر مملکت ذوالفقار علی بھٹو نے یکم مارچ ۱۹۷۲ء کو عوامی زرعی اصلاحات کا اعلان کیا جو درج ذیل ہے :

عزیز شہریو ، کاشتکارو اور ہاری دوستو !

آج کی رات تمہاری رات ہے - میں تم سے زرعی اصلاحات کے بارے میں گفتگو کر رہا ہوں - اس کا مقصد آپ کو ان اہم فیصلوں سے آگاہ کرنا ہے جو ہم نے موجودہ ظالمانہ اور غیر منصفانہ زرعی نظام کو بدلنے کے لئے کئے ہیں - ہمارے عوام صدیوں سے اس نظام کو خموشی سے برداشت کرتے چلے آ رہے ہیں -

آپ کو یاد ہو گا کہ پاکستان پیپلز پارٹی نے شروع ہی میں نا انصافی کے خلاف اپنی جد و جہد کے دوران بھی

جاگیرداری کی لعنت کو مٹانے اور زمین پر انسان کی غیر منصفانہ مالکیت کو ختم کرنے کا وعدہ کیا تھا ۔

یہ اصلاحات جن کا آج اعلان کیا جا رہا ہے ، بنیادی حثیت رکھتی ہیں ان سے عام آدمی کی زندگی پر آن اقدامات کے مقابلے میں گہرا اثر پڑے گا جو ہم مستقبل میں کرنا چاہتے ہیں ان سے ہمارے دیہی عوام کی عزت بڑھے گی ۔ انہیں ظلم و ستم سے نجات حاصل ہو گی اور آج سے وہ زمینی پستیوں سے اپنا سر بلند کرنے کے قابل ہو جائیں گے اور اپنے وقار ، عزت ، مردانگی اور خود داری کو دوبارہ حاصل کر لیں گے ۔

اس زرعی نظام کی خامیاں تو بہت زیادہ ہیں جن میں ہم نے تبدیلی کی ہے ۔ مشکل یہ ہے کہ ان کا کوئی مکمل حل بھی نہیں ۔ ہر معاشرے کو اپنی روایات ، حالات اور حدود کے اندر رہ کر اپنے لئے موزوں اقدامات کرنے پڑتے ہیں ۔

ہمارے معاشرتی اور اقصادی ڈہانچے میں بہت وسیع اور شرمناک حد تک تضاد موجود ہے۔ اس کا دائرہ عمل اور کسی جگہ اتنا روشن نہیں رہا جتنا ہمارے دیہاتی علاقوں میں ہے ۔ ہمارے مزارعین کی غالب اکثریت خدا جانے کب سے غلامی اور غربت کے جال میں گرفتار چلی آ رہی ہے ۔ مزدور اور کام کرنے والے انسان کے طبعی وقار کو غالباً اس بری طرح سے کہیں اور مجروح نہیں کیا گیا جیسا یہاں ہوتا رہا ہے اب ہم

اس مکروہ رجحان کو مزید جاری رہنے کی اجازت نہیں دیں گے ۔

زرعی مسائل ذرا پیچیدہ واقع ہوئے ہیں ۔ زرعی اصلاحات میں چونکہ زمین رکھنے کی حد کا سوال بھی ہوتا ہے اس لئے یہ کام مشکل ہونے کے ساتھ ساتھ پیچیدہ بھی بن جاتا ہے مسائل چاہے کتنے ہی گہرے کیوں نہ ہوں ہمیں ان کی تہہ تک پہنچنا ہے ۔ سطحی قسم کے اقدامات نقصان دہ ہوں گے کیونکہ ان کا واسطہ مسائل سے براہ راست نہیں ہوگا اور ہمیں ان کی اصلیت کو معلوم کرنا ہے ۔ اگر زرعی اصلاحات سے کاشتکار کی سماجی اور اقتصادی زندگی میں انقلابی تبدیلیاں واقع نہ ہوں گی تو پھر ہمارے یہ اقدامات محض رسمی اور روایتی بن کر رہ جائیں گے ۔

آپ کی حکومت زرعی اصلاحات کے جس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ رکھتی ہے وہ ایک وسیع دائرہ پر محیط ہے اس سے نہ صرف دولت اراضی کا غیر منصفانہ ارتکاز موثر طور پر ختم ہو جائے گا بلکہ آمدنیوں میں جو نمایاں فرق پایا جاتا ہے وہ بھی کم ہو جائے گا ۔ پیداوار بڑھ جائے گی ، بے روزگاری بڑی حد تک دور ہو جائے گی ، مالگزاری اور زرعی ٹیکسوں کا نظام بہتر ہو جائے گا نیز زمین دار اور کسان کے درمیان احترام اور باہمی مفاد کے تعلقات کی بنیادیں حقیقی طور پر قائم ہو جائیں گی ۔

ابتداء ہم انفرادی ملکیت اراضی کی انتہائی حدیں گھٹا کر بہت کم کر رہے ہیں اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ دولت اراضی کے ارتکاز نے منصفانہ اور خوشگوار معاشرتی نظام کی نشو و نما کو شدید نقصان پہنچایا ہے - ہم اس بات کی اجازت نہیں دیں گے کہ ایک طرف تو چند افراد وسیع اراضیات پر قبضہ کئے رہیں اور دوسری طرف وہ لاکھوں آدمی جو قوم کی دولت پیدا کرنے میں کوشاں ہیں کسمپرسی کی حالت میں زندگی بسر کریں -

اس نئی انتہائی حد کا تعین کرتے وقت کئی بامقصد باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے - اس میں اہم ترین بات یہ ہے کہ زراعت کو ایک دلکش اور منافع بخش پیشے کی حیثیت حاصل رہے - مزید برآں اراضی اتنی ہو کہ اس میں جو سرمایہ لگایا جائے اس سے زیادہ فائدہ حاصل ہو تا کہ پیداوار بڑھ سکے اس کے علاوہ حوصلہ مند اور روشن خیال کاشتکار زراعت کا پیشہ ترک نہ کریں - اور کاشتکاری کو وہ مقصدیت حاصل ہو جس کی وہ بجا طور پر مستحق ہے انہی اہم اسباب کی بنا پر ہم روشن خیال سرمایہ کاروں کے لئے بھی قطعاً اسی اصول پر عمل کر رہے ہیں - ہم جس طرح جاہل اور جابر زمیندار کے خلاف ہیں اسی طرح بڑے بڑے لٹیرے صنعت کاروں کے خلاف بھی ہیں - جس طرح ہم تخلیقی صلاحیت

رکھنے والے اور انسان دوست زمینداروں کے حق میں ہیں اسی طرح پیداوار کرنے والے فرض شناس مالکان صنعت کے طرف دار بھی ہیں ۔

بڑے غور و فکر کے بعد ایک فرد کی زرعی اراضی کی ملکیت کی حد ۵۰۰ نہری ایکڑ سے کم کر کے ڈیڑھ سو ایکڑ نہری اوو بارانی کی حد ایک ہزار سے کم کر کے تین سو ایکڑ یا پندرہ ہزار پیداواری یونٹ کے برابر یا ان میں سے جو بھی زیادہ ہو مقرر کی جاتی ہے ۔ صاف صاف لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ حد ملکیت کو ایک ہی اقدام میں ۷۰ فیصد کم کیا جا رہا ہے اور اس سلسلے میں ان مراعات اور مستثنیات کو ملحوظ نہیں رکھا گیا جو ۱۹۵۹ء کی اصلاحات کے تحت دی گئی تھیں ۔

زرعی اراضی کی انتہائی حد ملکیت خاندان کے بجائے فرد کی بنیاد پر مقرر کرنے کے سوال کا بڑی غور سے جائزہ لیا گیا ہے کیونکہ اس میں شرعی احکام کا پہلو بھی شامل ہے ۔ لہذا ہم نے مشہور و معروف علما اور فقہاء سے مشورہ کیا اور ان کی رہنمائی بھی حاصل کی ہے ۔ ظاہر یہ ہوا کہ اسلام فرد کے حقوق کو مقدس سمجھتا ہے اور خاندانی ملکیت کے نظام کو تسلیم نہیں کرتا اور ایک مسلمان کی حیثیت سے ہم کبھی ایسے نظام کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے جو اسلامی احکام کے منافی ہو

لہذا اسلامی احکامات کو مد نظر رکھتے ہوئے اراضی کی حد ملکیت خاندان کے بجائے فرد کی بنیاد پر مقرر کی جا رہی ہے۔

ہمارے جیسے وسیع ملک میں جہاں زرعی اراضی کی پیداوار اور آمدنی ہر علاقے میں مختلف ہے کیونکہ اس کی وجہ زمین کی قدرتی صفات کا اختلاف ہوتا ہے اور اس کے علاوہ آب و ہوا پانی کی دستیابی اور اسی طرح کے کئی اور عوامل بھی ہیں جن کے باعث اس کی پیداوار اور آمدنی میں فرق پایا جاتا ہے۔ لہذا اگر زرخیز زمین کو بنجر زمین کے برابر تصور کیا جائے اور دونوں کے لئے ایک ہی حد مقرر کی جائے تو یہ بات نہ صرف غیر معقول بلکہ احمقانہ ہوگی۔ اس طرح ان علاقوں کے ساتھ صریحاً نا انصافی ہوگی جو قدرتی طور پر کم زرخیز ہیں۔ حتیٰ کہ یورپ میں بھی جہاں زمین کی نوعیت میں بہت کم فرق ہے وہاں بھی زرعی پیداوار ہر علاقے میں مختلف ہے اور یہ ایک ایسا عمل ہے جسے یورپ کی اقتصادی برادری نے بھی تسلیم کیا ہے۔ لہذا ایک ایسے نظام پر عمل کرنے سے انصاف کے تقاضے پورے ہونگے جس میں ان قدرتی اور ناگزیر عوامل کو پیش نظر رکھا گیا ہے نیز یہ کہ مختلف زرعی پیداوار اور پیداواری یونٹ کی بنیاد پر اراضی کی آخری حد مقرر کرنے سے انصاف کا تقاضا بھی پورا ہو جائیگا۔ درحقیقت یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے مرحلے میں پیداواری یونٹ معیار مقرر کیا گیا اور

یہی ۱۹۴۷ء کے بعد زرعی اراضی کی تقسیم اور الاٹمنٹ کے لئے معیار چلا آ رہا ہے - اس لئے ہمارے منشور میں بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا گیا ہے جو بالکل عیاں ہے -

۱۹۵۹ء کی زرعی اصلاحات ایک ڈھکوسلا تھیں - وہ برائے نام اصلاحات تھیں جن کا مقصد لوگوں کو اصلاحات کے نام پر بے وقوف بنانا تھا ان اصلاحات کے تحت نہ صرف یہ کہ ۳۶ ہزار کی سب سے اونچی حد مقرر کی گئی تھی بلکہ ان اصلاحات میں اپنی پسند کے جاگیردار ٹولے کو ہر قسم کی مراعات دی گئی تھیں اور ایک خاص طبقے کو پروان چڑھایا گیا - در حقیقت اس طرح جو یونٹیں فراہم کی گئی تھیں وہ ۷۲ ہزار سے لے کر ۸۰ ہزار یونٹوں تک ہو جاتی تھیں - میں ذیل میں اس کی وضاحت کرتا ہوں -

۳۶ ہزار یونٹوں کی انتہائی حد کے علاوہ انفرادی مالکوں کو مزید ڈیڑھ سو ایکڑ پھلوں کے باغات برقرار رکھنے کی اجازت دی گئی تھی - مزید براں کسی موجودہ مالک کو یہ بھی حق دیا گیا تھا کہ وہ اپنے جانشینوں کو اٹھارہ ہزار یونٹوں کے برابر علاقہ تحفہ دے سکتا ہے - اس سے بھی زیادہ یہ کہ اس کے خاندان کی ہر زیر کفالت خاتون کو بغیر کسی پابندی کے چھ ہزار یونٹ رکھنے کی اجازت تھی - یہ فراڈی اسکیم یہیں پر ختم نہیں ہوئی - شکارگاہوں ، مویشی خانوں اور چراگاہوں کو

ان کے سائز کا لحاظ کئے بغیر زرعی اصلاحات کے دائرہ سے پورے طور پر خارج رکھا گیا ۔ مثال کے طور پر ایک مستثنیٰ شکارگاہ ایک لاکھ ایکڑ سے زیادہ رقبے پر پھیلی ہوئی تھی ۔ اس طرح ایسے کئی ایک مویشی خانے اور چراگاہیں تھیں جن میں سے ہر ایک ہزاروں ایکڑ پر پھیلی ہوئی تھی ۔ ایسے ہی کئی ٹرسٹ بھی تھے جو بلا امتیاز مستثنیٰ کر دیئے گئے تھے ۔ ان پر فریب مستثنیات کے نتیجہ میں کسان بہت سی قیمتی زمینوں سے محروم ہوگئے جو دس لاکھ ایکڑ سے زیادہ علاقہ پر مشتمل تھیں ۔

ہم ایسی مستثنیات یا مراعات کی اجازت نہیں دے رہے ہیں ۔ اول یہ کہ متعلقہ مالکوں کو اس کی اجازت نہیں ہو گی کہ وہ کوئی متاثرہ علاقہ اپنے جانشینوں کو یا زیر کفالت خواتین کو بطور تحفہ منتقل کر سکیں جسطرح کہ ۱۹۵۹ء کی اصلاحات کے تحت جائز تھا ۔

دوسرے یہ کہ ساری شکارگاہیں واپس لے لی جائیں گی اور زمینیں کسانوں میں تقسیم کر دی جائینگی صرف وہ تاریخی شکارگاہیں مستثنیٰ ہونگی جن کا انتظام حکومت کریگی ۔ مقررہ انتہائی حد سے زیادہ جو پھلوں کے باغات ، مویشی خانے اور چراگاہیں اور صراحت کردہ ٹرسٹ ہوں گے وہ مستثنیٰ نہیں ہوں گے ۔ صوبائی حکومتیں وہ طریقہ کار متعین کرینگی جن سے

حاصل کردہ زمینوں کو مصرف میں لایا جا سکے - اگر ممکن ہوا تو ان کا انتظام حکومت کرے گی لیکن اگر مفاد عامہ کا تقاضا ہوا تو انہیں پٹہ پر دے دیا جائے گا - اس صورت میں سابق مالک کو انکار کا پہلا حق حاصل ہو گا -

تاہم انصاف کے طور پر ہم موجودہ مالکوں کے سرمایہ کو نظر انداز نہیں کر سکتے جو انہوں نے ٹیوب ویل لگا کر ٹریکٹر خرید کر نئی زمینوں کو قابل کاشت بنا کر اور زرعی پیداوار کے مہنگے جدید طریقے اختیار کر کے صرف کیا - اسلئے ہم ازروئے انصاف اس بات پر مجبور ہیں کہ اگر کسی موجودہ مالک کے پاس ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کو یا اس سے پہلے کوئی ٹریکٹر تھا یا اس نے کوئی ٹیوب ویل لگایا تھا تو اسے تین ہزار یونٹوں کے برابر مزید علاقہ رکھنے کی اجازت دیں -

اس سلسلہ میں ہم صرف ایک استثنیٰ کی اجازت دے رہے ہیں جس کا تعلق تسلیم شدہ تعلیمی اداروں مثلاً یونیورسٹیوں سے ہے انہیں مقررہ انتہائی حد سے زیادہ رقبہ کی اراضی رکھنے کی اجازت ہوگی - ۱۹۵۹ء کی زرعی اصلاحات کے برخلاف اس استثنیٰ کی اجازت کسی دیگر ادارے کو نہیں ہوگی -

سب کو معلوم ہے کہ بلوچستان کے پٹ فیڈر ایریا میں سرکاری اراضیات پر متعدد با اثر اشخاص نے ناجائز قبضہ جما رکھا ہے اور ان اراضیات پر استحقاق کے بارے میں طویل

عرصہ سے تنازعہ چل رہا ہے۔ اس سے غریب کاشتکاروں اور مزدور کسانوں کو لامتناہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ چنانچہ اس افراتفری کو ختم کرنے اور کسانوں کو اراضیات مہیا کرنے کے لئے حکومت نے پٹ فیڈر ایریا کی تمام اراضیات کو کسی معاوضہ کے بغیر اور تمام پابندیوں سے آزاد اپنے قبضہ میں لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس طرح حاصل کی ہوئی اراضیات اس علاقہ کے غریب کسانوں کو دی جائینگی۔

اب میں پاکستان میں زمین ہتھیانے کی تاریخ کے ایک انتہائی بھیانک اور شرمناک باب کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ سرکاری ملازمین کے طبقہ نے انتہائی بے غیرتی کے ساتھ اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے سندھ اور پنجاب دونوں جگہ مختلف بیراجوں کی وسیع اراضیات حاصل کر لیں۔ اسطرح غیر حاضر زمینداروں کا ایک نیا طبقہ پیدا ہوگیا۔ اس استحصال کے علاوہ جو اس طریقہ کا لازمی نتیجہ ہے اس نے مقامی اہلکاروں پر مزید بار ڈال دیا جنہیں ایسے غیر حاضر زمینداروں کے لئے مقررہ آمدنی کا انتظام کرنا ہوتا ہے جو بیشتر اوقات ان کے اعلیٰ افسر بھی ہوتے ہیں لہذا حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ اگر کسی سرکاری ملازم نے اپنی ملازمت کے دوران یا ریٹائرمنٹ کے دوران ایک سو ایکڑ سے زیادہ اراضی حاصل کی ہے تو وہ تمام اراضی جو ایک سو ایکڑ سے زیادہ ہوگی بحق

سرکار ضبط متصور ہوگی - لیکن اس کا اطلاق مسلح افواج پر نہیں ہوگا کیونکہ ان کے معاملہ میں تو اراضیات سر زمین وطن کا دفاع کرنے والوں کو دی گئی تھیں -

بعض اعلیٰ فوجی افسروں نے سرحدی علاقوں میں بھی اراضیات حاصل کی تھیں - سرحدی علاقوں میں بھی اراضیات کا الاٹ منٹ اس خاص مقصد کے تحت کیا گیا تھا کہ ریٹائرڈ فوجی عملہ کی ایک دفاعی ریزرو لائن قائم ہو جائے - تاہم ایسے کئی واقعات ہوئے جن میں بعد کو ان اراضیات کا ان الاٹیوں نے اندرون ملک کی بہتر اراضیات سے تبادلہ کر لیا - اور اس طرح سرحدی علاقوں میں اراضیات کے ابتدائی الاٹ منٹوں کا مقصد ہی ختم کر دیا - اس لئے ہم نے ایسی تمام اراضیات کے حقوق مالکانہ منسوخ کرنے کا فیصلہ کیا ہے جنہیں دفاعی پٹی کے سرحدی علاقہ میں واقع ہونے کے عوض ملک کے محفوظ اندرونی حصوں میں حاصل کیا گیا ہے -

تمام سرکاری اراضیات خالصتاً ان کاشتکاروں کو دینے کے لئے ہوں گی جن کے پاس اراضی نہیں ہے یا جو ایسی اراضی کے مالک ہیں کہ اس سے ان کی گزر بسر نہیں ہو سکتی - اس کے لئے جس گاؤں یا دیہہ میں وہ اراضی واقع ہوگی ، وہاں کے لوگوں کو ترجیح دی جائے گی - اس زمین

سے کافی علاقہ دفاعی افواج کے لئے محفوظ رکھنا پڑیگا ۔

تمام سرکاری زرعی اراضیات کے نیلام پر پابندی لگا دی جائے گی ۔ سرکاری اراضی کی قیمت آسان قسطوں میں وصول کی جائے گی ۔ ایسی اراضیات کو سالانہ پٹے پر دئے جانے کی پالیسی کو ترک کر دیا گیا ہے ۔

زمینداروں اور مزارعین کے باہمی تعلقات ملک اور عوام دونوں کے لئے بہت بڑی تشویش کا باعث بنے رہے ہیں ۔ ان کے آپس کے جھگڑوں اور دشمنی کی وجہ سے ایسے مسائل کا سامنا کرنا پڑا ہے جن سے زرعی پیداوار اور معاشرے کے امن و امان کو ٹھیس پہنچی ہے ۔ ان حالات کو سدھارنے کے لئے میں نے کچھ واضح اقدامات کئے ہیں ۔ وہ یہ ہیں

یک طرفہ اور معاندانہ بے دخلی کی کاروائیاں فی‌الفور بند کر دی جائیں گی ۔ آئندہ بے دخلیاں صرف اس صورت میں ممکن ہوں گی کہ مزارعین بٹائی کا حصہ یا اراضی کا لگان نہ دیں یا زراعتی ضروریات کو پورا نہ کریں ۔

ملک بھر میں آبیانہ ادا کرنے کی ذمہ داری اب مزارع کے بدلے زمیندار پر عائد ہوگی ۔ اس کے علاوہ تمام زراعتی ٹیکس بھی آئندہ کے لئے خالصتاً زمیندار ہی کو ادا کرنے پڑیں گے ۔

اس طرح مزارع کی طرف سے بیج کی قیمت ادا کرنے کا

مروجہ طریقہ ختم ہو جائیگا ۔ آئندہ کے لئے زمیندار خود بیج فراہم کرنے اور اس کی قیمت ادا کرنے کے ذمہ دار ہوں گے ۔ باقی ماندہ متعلقہ اخراجات زمیندار اور مزارعین میں برابر تقسیم ہو جائینگے ۔

زمینداروں کا مزارعین سے بلا معاوضہ خدمت لینا یا جبری لگان وصول کرنا ملک بھر میں غیر قانونی متصور ہوگا ۔

اراضی کی فروخت کے سلسلے میں اس اراضی کے مزارع کو حق شفع حاصل ہوگا ۔

یہ انقلابی مراعات جو کاشت کاروں کو دی جا رہی ہیں ان سے ان کی اقتصادی حالت کے بہتر ہونے کی نئی راہیں کھل جائیں گی ۔ مجھے یقین ہے کہ اس طرح حقوق کاشت کا تحفظ ہوگا اور مزارعین پر ٹیکس کا بوجھ بھی کم ہوگا اور انہیں حق شفع مل جانے سے مزارعین کی دیرینہ خواہشات اور امنگیں پوری ہو جائیں گی ۔

میرے دوستو اور ہم وطنو ! آپ برائے مہربانی خود اس تضاد کا اندازہ لگائیں اور آپ خود انصاف کریں کہ ۱۹۵۹ء کی زرعی اصلاحات اور ان اصلاحات میں جو اب نافذ کر رہا ہوں کس قدر فرق ہے ۔ میں نے جاگیرداری کی کمر توڑنے کے لئے نہ صرف اراضی کی انتہائی حد کم کر دی ہے بلکہ

میں کاشتکاروں کیلئے نئی زندگی اور ایک نیا نظام لانے کی غرض سے ایک قدم اور آگے بڑھ گیا ہوں ۔ میں نہ صرف بیجا مستثنیات اور ملکیت کی اونچی حد کم کر رہا ہوں بلکہ نئے قانون کے تحت بلا معاوضہ تمام زمین لے رہا ہوں اور سب سے اہم بات یہ کہ وہ تمام اراضی جو واپس لی گئی ہے اسے اسکے کاشت کاروں کو منتقل کر رہا ہوں ۔ ان اصلاحات کے تحت زمین کاشت کرنے والے کو جو زمین دی جائیگی اس کیلئے اسے ایک پیسہ بھی ادا نہیں کرنا پڑے گا ۔ وہ ایسی اراضی کے نئے مالک ہوں گے جو انہیں مفت ملے گی ۔ اور اس سلسلے میں ان پر کوئی ذمہ داری یا واجبات نہیں ہوں گے ۔ ان اصلاحات کے تحت ان کا فائدہ یہ ہوگا کہ انہیں مفت زمین ملے گی جو ان کے گاڑھے پسینے کا معاوضہ ہے کیونکہ صدیوں سے وہ ان زمینوں پر یہ پسینہ بہاتے چلے آ رہے ہیں ۔ علاوہ ازیں ان سے کوئی قسط جو ۱۹۵۹ء کی زرعی اصلاحات کے تحت واجب الادا تھی نہیں لی جائے گی ۔

مالکان اراضی بڑے پیمانے پر زرعی اراضی کو منتقل کرتے رہے اور وہ یہ سب کچھ ایک ایسے انداز سے کرتے رہے ہیں جس کا مقصد زرعی اصلاحات کو ناکام بنانا تھا لیکن میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہم ایسی سازشوں کو ہرگز کامیاب نہیں ہونے دیں گے ۔ میں یہاں پر زور الفاظ میں اپنے اس عزم

کو دھراتا ہوں کہ ایسے طفیلی اور عوام دشمن لوگوں کو بالکل معاف نہیں کیا جائے گا۔

ایسے ناجائز لین دین کو ختم کرنے کی غرض سے ایسے فرد کی طرف سے جس کے قبضے میں ۱۵ ہزار یونٹ کے مساوی زمین یا اس سے زیادہ تھی ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کے بعد اس کی طرف سے اراضی کی منتقلی یا ایسی اراضی میں کسی کو کھاتہ شریک بنانے کی اگر کوئی کارروائی کی گئی ہے تو ایسی کارروائی بلا چون و چراں غیر قانونی سمجھی جائے گی۔ منتقل کرنے والے کی اراضی کا تعین کرتے وقت ان رقبوں کو بھی اس کی ملکیت سمجھا جائے گا نیز ایسی منتقلیاں جو زمین کو خاندان میں واپس لے آئیں چاہے وہ تیسرے شخص کے ذریعہ ہوئی ہوں کالعدم ہوں گی اور مالک کے پاس جائیں گی جس شخص کے پاس یکم مارچ ۱۹۶۷ء کو پندرہ ہزار یونٹوں کے برابر رقبہ سے زیادہ رقبہ ہوگا اسے ایسی تمام منتقلیوں کو ظاہر کرنا پڑے گا جو اس نے پچھلے پانچ سال میں کی ہیں اور ان کی جانچ اس لئے کی جائے گی تاکہ لین دین کی اصلیت کا اندازہ لگایا جائے اگر منتقلیاں دوسرے اشخاص کے حق میں کی گئی ہیں وہ اس وقت تک جائز نہیں ہوں گی جب تک منتقل کرنے والا ہر شک سے بالا تر یہ ثابت نہ کر دے کہ یہ لین دین صحیح تھا۔ اور اخیر میں آپ کو متنبہ کر دیتا ہوں کہ اگر

کوئی جھوٹی بات ظاہر کی گئی تو املاک ظاہر کرنے والے اور اس کے متعلقین کی ساری املاک خواہ زمین ہو یا دوسری اشیاء فوراً ضبط کر لی جائے گی ۔

مشینی کاشت اور استعمال اراضی کی حوصلہ افزائی کرنے کی فوری ضرورت کے مطابق اور ٹکڑے کرنے کی روک تھام کرنے کے لئے حکومت کسی خاندان کو فراخدلانہ طور پر استعمال اراضی کی اجازت دے گی بشرطیکہ یہ اراضی صوبائی حدود کے اندر ہو اور پندرہ ہزار یونٹوں کی مقررہ حد سے متصادم نہ ہو اس طرح موجودہ مالک کو یہ حق ہوگا کہ اپنی پسند کا رقبہ مقررہ حد تک کے اندر برقرار رکھے اور اس خاندان کے دوسرے متاثرہ یا غیر متاثرہ مالکان زمین سے اپنی اراضی کا تبادلہ کرے ۔

زمینوں کے ٹکڑے کرنے کی برائیوں کو روکنے کے لئے اپنے ارادہ کا مزید اظہار کرنے کی غرض سے مشترکہ اراضی کی حقیقی تقسیم اور اراضی کی علیحدگی پر موجودہ پابندیاں جاری رہیں گی ۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اراضی کے ٹکڑے نہیں ہوں گے اور منفعت بخش یونٹوں کو غیر منفعت بخش یونٹوں سے منسلک کیا جا سکے گا ۔

ہمارا ریونیو کا نظم و نسق اور زرعی ٹیکس کا نظام فرسودہ ہو چکا ہے ۔ دنیا کی ہر چیز تیزی سے بدل رہی ہے لیکن ہمارا

ریونیو کا نظام برابر ماضی سے جڑا رہا ہے - ریونیو ریکارڈوں کو بعد میں رکھنے - حقوق مالکانہ کی دستاویزات کی نقل حاصل کرنے میں دشواریاں پیدا کرنے - مال گزاری کے چھوٹے چھوٹے اہلکاروں کو فائدہ یا نقصان پہنچانے کے وسیع اختیارات استعمال کرنے - زرعی لگانوں کی شرحوں میں اتار چڑھاو پیدا کرنے اور مال گزاری کی کارروائیوں میں طوالت پیدا کرنے کی اجازت نہیں دی جائیگی - خصوصاً جس غلط طریقہ سے مقامی اہلکار اپنے فرائض انجام دیتے ہیں بلکہ اپنے فرائض سے کوتاہی برتتے ہیں اسے تو قطعاً برداشت نہیں کیا جائے گا - اس فرسودہ نظام نے تو صرف رشوت ستانی - ایذا رسانی اور انتقام کے مواقع ہی فراہم کئے ہیں - اس نظام میں اگر کاٹ چھانٹ نہ بھی کی جائے تب بھی اس پر پوری طرح نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے -

میری رائے ہے کہ لگان اور آبیانہ کی تشخیص یکساں شرح کی بنیاد پر کی جائے تاکہ ضرورت سے زیادہ ٹیکس نہ وصول کیا جائے - مال گزاری کا نقصان نہ ہو اور رشوت ستانی اور ایذا رسانی کا سدباب ہو جائے - ریونیو افسروں اور ان کے ماتحت عملہ کا یہ واضح فرض ہونا چاہیے کہ وہ کسانوں کی مدد کریں نہ کہ انہیں نقصان پہنچائیں - مال گذاری کے سادہ اور عام فہم طریقے اختیار کرنے چاہئیں یعنی ایسے طریقے

جنہیں ہر شخص پوری طرح سمجھ سکے اور جن کی تشریحات صرف اہلکاروں کے طبقہ کی اجارہ داری نہ ہو ۔

بہر حال ضرورت اس بات کی ہے کہ ماہرین کی کمی اور عوام کے نمائندوں کے تفصیلی غور و خوض کے بعد یہ مسائل حل کئے جائیں اس لئے میں ایک کمیشن کی فوراً تشکیل کا حکم دے رہا ہوں ۔

ہمارے سامنے سب سے بڑا کام یہ ہے ۔ کہ چھوٹے چھوٹے کھیتوں میں پیداوار کیسے بڑھائی جائے ایسا مربوط منصوبہ شروع کرنا چاہئے جس سے مؤثر تعلیمی اور تربیتی پروگرام کے ذریعہ چھوٹے کسانوں کے علم میں اضافہ ہو ۔ ساتھ ہی اس بات کی بھی پوری کوشش کرنا چاہئے کہ زراعت کے لئے ضروری اشیاء کی رسد باقاعدگی سے پہنچتی رہے ۔ ان چھوٹے کسانوں کو امدادی قیمتوں ۔ زراعت کے لئے ضروری اشیاء کی رعایتی قیمتوں اور مارکٹنگ کی سہولتوں کی صورت میں اپنے کام کے لئے ترغیبات مہیا کی جائیں گی ۔

فی الواقعہ ہمیں امداد باہمی پر مبنی زراعت کے لئے تمام سہولتیں مہیا کر کے دیہی امداد باہمی کو ترقی دینا ہوگا ۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس طرح حقیقی دیہی جمہوریت کو فروغ ہوگا استحصال کا سدباب ہو جائے گا ۔ وسائل کی یکجائی کے ذریعہ پیداوار بڑھ جائے گی ۔ امداد باہمی کی نمائندہ یونینوں

کے توسط سے باہمی یگانگت و مفاہمت میں اضافہ ہوگا اور دلال جو غیر ضروری منافع کماتے ہیں وہ ختم ہو جائے گا۔

زراعت کے پیشہ میں افراد کی تعداد زیادہ ہو گئی ہے اور فصلیں اگانے کے موجودہ روایتی طریقوں سے ہمارے مزدوروں کی اتنی بڑی تعداد کی پوری طرح کھپت نہیں ہوتی۔ بے روزگاری اور کم روزگاری کی مصیبت کو ختم کرنے کیلئے بہت سے اقدامات کئے جائیں گے۔ اس لئے ہم ایک عظیم دیہی تعمیراتی پروگرام کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں جس کے تحت دیہی علاقوں میں زراعت پر مبنی صنعتیں اور زرعی بستیاں اور گھریلو صنعتیں قائم کی جائیں گی۔

زراعت کے فروغ اور دیہی ترقی کو روکنے کے لئے روپیہ کی کمی کو ہمیشہ بہانہ بنایا گیا۔ دیہی علاقوں میں کارکردگی اور زندگی کے حالات افسوسناک اور معیارانسانیت سے گرے ہوئے ہیں۔ لہذا میں نے ہدایت کی ہے کہ زرعی ترقی کے لئے اور اس امدادی پروگرام کے لئے جن کا میں نے پہلے ذکر کیا ہے دس ارب روپے کی رقم مختص کی جائے عمل درآمد کا کام پوری رفتار اور جوش سے کیا جائے گا۔

زرعی اصلاحات کے یہ اقدامات فوراً نافذالعمل ہوں گے ان کا اطلاق شمال مغربی سرحدی صوبہ کے قبائلی علاقے کے سوا تمام علاقوں پر ہوگا خواہ ان کا سروے کیا گیا ہو یا نہ

کیا گیا ہو۔

میں مارشل لاء کا ایک ضابطہ جاری کروں گا جس سے میرے منصوبے پر تیز رفتاری سے پوری طرح عمل درآمد ہوگا۔ ہر صوبہ میں ایک لینڈ کمشن قائم کیا جائے گا تاکہ اصلاحات پر عمل درآمد کیا جائے اور اگر کسی قسم کے تضاد کا پتہ چلے تو انہیں دور کیا جائے۔

ایک سخت ٹائم ٹیبل نافذ کیا جائے گا۔ ۳۰ اپریل ۱۹۷۲ء تک اراضی ظاہر کرنا پڑے گی۔ ۱۵ جون ۱۹۷۲ء تک ان پر فیصلے کئے جائیں گے اور یکم جولائی ۱۹۷۲ء تک ان فیصلوں پر عمل درآمد کیا جائے گا۔

اور اخیر میں زیر کاشت فصل کے بارے میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں، موجودہ ربیع فصل موجودہ مالکوں کی ہوگی کیونکہ انہوں نے اس پر سرمایہ اور محنت صرف کی ہے۔ کسی قسم کی چوری کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ دوسری خریف فصل نئی قانون سازی کے دائرہ کے اندر آئے گی۔

ایسے ملک میں جہاں ایک عرصے سے جاگیردارانہ نظام رائج ہے اور جہاں زرعی اراضی ایک وسیع اور انتہائی پیچیدہ نظام آب پاشی کے تحت آتی ہے ایسی صورت حال کے پیش نظر ہم نے جو کچھ کیا وہ ایک بہت بڑا کام ہے ہم نے ان ملکوں کی نسبت جہاں ایسے ہی حالات پائے جاتے ہیں بہت کچھ

بلکہ زیادہ کیا ہے - مثال کے طور پر عراق میں نہری زمین کی انتہائی حد ملکیت ۶۲۵ ایکڑ اور بارانی زمین کی حد ساڑھے بارہ سو ایکڑ مقرر کی گئی ہے - ترکی میں ۱۲۵۰ ایکڑ ، ایران میں ایک ہزار ایکڑ نہری زمین اور دو ہزار بارانی زمین - شام میں ۲۰۰ ایکڑ نہری زمین اور ۵۰۰ ایکڑ بارانی زمین - فلپائن میں ساڑھے سات سو ایکڑ اور کیوبا میں ۱۶۷ ایکڑ کی آخری حد مقرر کی گئی ہے - غرض کہ انقلاب روس کے بعد لینن نے زمینداروں کو جس حد تک زمین اپنے پاس رکھنے کی اجازت دی تھی اس طرح ہم بھی پیداواری یونٹ کے اعتبار سے زمین کی حد مقرر کر رہے ہیں -

میں جانتا ہوں کہ جاگیرداروں کی کیا طاقت ہوتی ہے مجھے قبائلی سرداروں کی مطلق العنانی ، وڈیروں اور ملکوں کی قوت کا بخوبی علم ہے وہ ان زرعی اصلاحات کو ناکام بنانے کی غرض سے ہر حربہ استعمال کرنے کی کوشش کریں گے - میں یہاں بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس کی ہرگز اجازت نہیں دی جائے گی - ایسے تمام عوام دشمن عناصر کے ساتھ مارشل لاء کی پوری قوت کے ساتھ نمٹا جائے گا - مزارعین کے دفاع میں اور ان اصلاحات کے ذریعہ کئے گئے انصاف کا بول بالا رکھنے کے لئے آپ کی حکومت کی عمل داری جس طرح پنجاب اور سندھ کے ہموار میدانوں میں چلے گی اس طرح یہ بلوچستان

اور شمال مغربی سرحدی صوبہ کے پہاڑوں اور چٹانوں میں بھی ہوگی -

عزیز شہریو ! میں نے آپ کے سامنے آپ کی حکومت کی زرعی اصلاحات کا منصوبہ بیان کر دیا ہے - یہ کام بے حد کٹھن ہے لیکن یہ ایسا کام ہے جسے نہ تو ہم نظر انداز کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس میں کوئی تاخیر کی جا سکتی ہے - اس پر ہماری معیشت کے استحکام اور ہمارے عوام کی خوش حالی کا دارومدار ہوگا اس کے لئے زبردست وسائل پوری لگن اور عوام کی مکمل حمایت درکار ہوگی - میں نے سماجی اور اقتصادی انصاف کو یقینی بنانے کا تہیہ کر رکھا ہے میں نے اس قدیم اور ظالمانہ جاگیرداری نظام کا نام و نشان مٹانے کا پختہ عزم کر رکھا ہے جس نے عرصہ دراز سے ہمارے عوام کا سکھ چین چھینا ہوا ہے لیکن کامیابی کے لئے مجھے آپ کی مدد درکار ہے - مجھے آپ کی حمایت کی ضرورت ہے مجھے آپ کی طاقت درکار ہے - مجھے آپ کے عزم اور جرات کی ضرورت ہے - آج کا دن تاریخی دن ہے کیونکہ ایک ہی ضرب سے ہم نے اس برائی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے جس نے عرصۂ دراز سے ہماری اس حسین و دلکش سر زمین کے چہرے کو داغ دار بنا رکھا تھا -

ہم نے اپنے بیٹوں اور پوتوں کے لئے ایک نئی اور پر عزم دنیا کے دروازے کھول دیئے ہیں اور اس طرح ہم نے

اپنی آئندہ نسلوں کے مستقبل کو محفوظ بنا دیا ہے -

اللہ اور بندوں سے میں نے جو وعدہ کیا تھا اس پر میں قائم رہا ہوں - آج کے دن پاکستان کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے اور تاریخ کا یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں - کتاب حریت میں ایک سنہری باب کا اضافہ ہے - معینہ گھڑی آ پہنچی ہے - ٹوٹی ہوئی زنجیروں کی جھنکاریں ہمارے لئے پیغام مسرت لیکر آئی ہیں - کل نہیں البتہ جمعہ تین مارچ کو عام تعطیل رہے گی تاکہ اس تاریخی دن کی بے پایاں سعادتوں اور تکمیل وعدہ کے حسن و عظمت کی یاد تازہ کی جا سکے -

باب ۳۵

زرعی انقلاب کی طرف

ہموطنو ، مزارعو اور ہاریو - - - !

''آج کی رات تمہاری رات ہے ، میں تم سے زرعی اصلاحات کے بارے میں گفتگو کرنے والا ہوں ، میں تم کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہم نے وہ ظالمانہ اور غیر منصفانہ زرعی نظام بدل دینے کا فیصلہ کر لیا ہے جس کو تم صدیوں سے بڑی خاموشی کے ساتھ برداشت کر رہے تھے'' -

صدر بھٹو نے یکم مارچ ۱۹۷۲ء کو جس اعلان کا آغاز مرقومہ بالا الفاظ کے ساتھ کیا اسے ختم اس بانگ دہل پر کیا :

''آج کا دن عہد آفرین ہے کیوں کہ ہم نے ایک ہی ضرب سے وہ روگ جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے جس نے اس ارض حسیں کا چہرہ صدیوں سے مسخ کر رکھا تھا - ہم نے

اپنے بچوں اور ان کے بچوں کے لئے ایک جرأت آزما نئی دنیا کا دروازہ کھول دیا ہے، ہم نے اپنی نسلوں کا مستقبل محفوظ کر دیا ہے۔ میں خدا اور اس کے بندوں کے سامنے سرخرو ہو رہا ہوں۔ آج کے دن نے پاکستان کو ایک نئے موڑ پر لا کھڑا کیا ہے۔ یہ تاریخ میں کوئی شعبدہ بازی نہیں ہے، اس سے کتاب آزادی میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا ہے زنجیریں کٹ رہی ہیں۔ آؤ ہم سب مل کر جشن منائیں،،۔

صدر بھٹو کے ان الفاظ میں جس درد اور اخلاص کی جھلک ہے وہ محتاج تصریح نہیں۔ یوں تو اصلاحات کا طنطنہ لارڈ کارنوالس کے زمانہ سے سنائی دے رہا ہے لیکن ۱۹۲۶ء کے ''زرعی کمیشن،، سے لیکر ۱۹۵۸ء کے ''اراضی کمیشن،، تک جتنی سفارشات بروئے کار آئی ہیں ان کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ بڑے زمینداروں کے مفاد کا تحفظ کیا جائے۔ خواہ اس سے مزارعین کے حلقۂ زنجیر میں اور بھی اضافہ ہو جائے، اس کے برعکس صدر بھٹو نے جن اصلاحات کا خاکہ پیش کیا ہے ان کے لفظ لفظ سے وہ شرارے پھوٹ رہے ہیں جو صدر ایوب کے نام نہاد ''سبز انقلاب،، کی سبزی چاٹ کر پاکستان کو ایسی ''تاریخی ناگزیریت،، سے دوچار کر دیں گے جس کا دوسرا نام ''زرعی انقلاب،، ہے۔!

دوسری جنگ عظیم کے بعد جب تمام ممالک اپنے اپنے

معاشی نظام کی چولیں درست کر رہے تھے تو بڑی طاقتوں نے محسوس کیا کہ ان کے پاس نہ تو وافر مقدار میں خام مال ہے جو ان کے کارخانوں اور ملوں کے لئے ایندھن کا کام دے سکے ، نہ منڈیاں اور بازار ہیں جو ان کی مصنوعات کو جذب کر کے سیم و زر میں ڈھالتے رہیں ۔ خام مال کی بہمرسانی اور مصنوعات کی کھپت کے لئے وہی ممالک موزوں ہو سکتے تھے جو نو آبادیاتی نظام سے چھٹکارا پانے کے بعد ہنوز اپنے وسائل ترقی کا جائزہ لے رہے تھے ، اقوام متحدہ نے ایک طرف پسماندہ زرعی ممالک کو مشورہ دیا کہ وہ خام اجناس میں اضافہ کے لئے نئے طریق کار اختیار کریں اور دوسری طرف بڑے ممالک سے سفارش کی کہ نہ صرف ان کی تکنیکی رہنمائی کریں بلکہ پیداوار بڑھانے کے لئے ان کی دامے درمے امداد بھی کریں ۔ فائدہ چونکہ دونوں کو پہنچ سکتا تھا اس لئے مفاہمت میں دیر نہ لگی ۔

یو - این کی زرعی اصلاحات

اوتھانٹ کے زمانہ میں ”تعمیر و ترقی کے عشرے“ منانے کی داغ بیل ڈالی گئی ، صنعتی لحاظ سے ترقی یافتہ ممالک سے کہا گیا کہ اپنی مجموعی قوت پیداوار کا کم از کم ایک فیصد پسماندہ یا نیم ترقی یافتہ ممالک کی امداد و اعانت کے لئے وقف کر دیں ۔ اگرچہ سن ساٹھ کے عشرے میں شائد

فرانس کے سوا کوئی ملک بھی اس ہدف تک نہ پہنچ سکا۔ تاہم جتنی بھی اقتصادی امداد ملی اس سے ترقی پذیر ممالک کو جہاں یہ نقصان پہنچا کہ اربوں روپے کے قرض تلے دب کر رہ گئے ، وہاں یہ فائدہ بھی ہوا کہ وہ اپنی زرعی معیشت کی بنیادیں استوار کرنے کے قابل ہو گئے ، بایں ہمہ چونکہ کوئی ملک بھی یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ اس کی معیشت یکرنگ بن کر رہ جائے اس لئے وہ زراعت کے ساتھ ساتھ صنعت کو بھی فروغ دینے کی کوشش کرتے رہے۔ ترقی یافتہ ممالک کو یہ رجحان قدرتی طور پر ناگوار گزرا ۔ انہوں نے نہ صرف طرح طرح کے ہتھکنڈوں سے ابھرتے ہوئے ممالک کی مصنوعات کی حوصلہ شکنی کی بلکہ خام اجناس کی قیمتیں بھی گرانا شروع کر دیں تاکہ وہ صنعتی لحاظ سے ترقی یافتہ علاقوں کے دست نگر بن کر رہ جائیں ۔ ادھر جب ترقی پزیر ممالک نے یہ صورت حال دیکھی تو عافیت اسی میں سمجھی کہ خود کفالتی کی راہ اختیار کریں اور خام اجناس کی بہمرسانی کا رخ بیرونی ممالک کی بجائے اپنے کارخانوں کی جانب موڑ لیں ۔ اس سے ترقی یافتہ صنعتی ممالک میں ایک ہیجان برپا ہو گیا ۔ انہوں نے کچھ تو وہ پابندیاں نرم کر دیں جو انہوں نے ترقی پزیر ممالک کی مصنوعات کی خریداری پر لگا رکھی تھیں اور کچھ اقوام متحدہ پر زور دیا کہ زرعی ممالک کو خام اجناس کی پیداوار بڑھانے

پر مجبور کرے -

چنانچہ اوتھانٹ نے ایک کمیٹی مقرر کی جس نے فروری ۱۹۷۰ء میں یہ رپورٹ پیش کی کہ خام اجناس کی پیداوار میں کمی کا بڑا سبب یہ ہے کہ نیم ترقی یافتہ ممالک میں معیشت ناہموار ہے - کسی کے پاس تو ہزاروں ایکڑ زمین ہے اور کسی کے پاس ایک انچ بھی نہیں - نتیجہ یہ ہوا ہے کہ کاشت کاروں کی ایک بڑی تعداد ''کمین،، اور غلام بن کر زندگی گزار رہی ہے - بڑے زمیندار چونکہ زراعت میں دلچسپی نہیں لیتے اور چھوٹے کاشت کاروں کے پاس نہ اپنی زمین ہے نہ سرمایہ اس لئے نہ کوئی محنت کرتا ہے نہ پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے - کمیٹی نے سفارش کی کہ تمام ترقی پزیر ممالک زرعی اصلاحات بروئے کار لائیں اور نہ صرف ملکیت اراضی کی حد بندی کریں بلکہ کاشت کاری کے جدید طریقے بھی اختیار کریں - جن میں بیج ، کھاد اور کرم کش ادویہ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے -

سبز انقلاب

اقوام متحدہ پر چونکہ زیادہ تر سرمایہ دار طاقتیں قابض ہیں اس لئے انہوں نے اپنے اپنے دائرہ میں اس سفارش کو تو زرعی ممالک کی صوابدید پر چھوڑ دیا کہ اراضی کی مساویانہ تقسیم عمل میں لائی جائے اور ان تجاویز کو اپنی امداد کی شرائط

میں شامل کر لیا کہ خام اجناس کی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے عمدہ بیج، کیمیاوی کھادیں اور کرم کش ادویہ استعمال کی جائیں اور اس کا نام ''سبز انقلاب'' رکھا۔ سبز انقلاب کی تحریک دراصل اس سے بہت پہلے امریکہ میں اٹھ چکی تھی۔ وہاں کے صنعت کاروں نے جب دیکھا کہ خام اجناس کی پیداوار کم ہو رہی ہے جس سے ان کے کارخانوں کے تباہ ہونے کا اندیشہ ہے تو انہوں نے سائینسدانوں کو عمدہ بیج اور کھادیں دریافت کرنے پر لگا دیا۔ تا کہ ان کے ذریعے کسانوں کو پیداوار بڑھانے پر آمادہ کیا جا سکے۔ ''میکسی پاک گندم'' اور ''اری چاول'' اسی سائنسی تحقیقات کا ثمرہ ہیں۔ ''میکسی پاک'' بونے قد کے ایک گیہوں کا نام ہے جس کی بالیوں میں عام گیہوں کے مقابلہ میں زیادہ دانے ہوتے ہیں اور ان سے آٹا بھی زیادہ مقدار میں برآمد ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ آٹا صرف ڈبل روٹی کے لئے موزوں ہے اور پاکستانی مزاج کے موافق نہیں ہوتا۔ یہ گیہوں راک فیلر اور فونڈیشن کے سائنسدانوں نے میکسیکو اور پاکستان کی گندم کا پیوند لگا کر دریافت کی اور اس کے بعد مختلف ممالک کی آب و ہوا میں اس کے اگانے کے تجربات بھی کئے۔ ایک سائنس دان بورلا کو اس دریافت پر ۱۹۷۰ء میں نوبل پرائز بھی مل چکا ہے۔ اسی طرح اری پاک چاول نے منیلا، فلپائن

کے بین الاقوامی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں ارتقائی مراحل طے کئے۔ یہ چاول ہمارے یہاں کے کھردرے اور موٹے چاول سے مختلف نہیں تاہم اس کے خوشے میں بھی چاول کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔

صدر ایوب کے عہد میں یہ دونوں بیج ملک بھر میں پھیلا دیئے گئے جس کے نتیجہ میں چاول اور گندم دونوں کی پیداوار میں ۷۵-۷۰ فیصد اضافہ ہوا۔ اس پر ان بیجوں کا نام ''معجز نما'' رکھ دیا گیا۔ اور ابلاغ عام کے تمام ذرائع سے عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ صدر ایوب نے ان بیجوں کے ذریعہ سے ملک میں ایک 'سبز انقلاب' برپا کر دیا ہے۔ جس کے سامنے سرخ انقلاب کے پرچم بھی سرنگوں ہو گئے ہیں۔ لیکن اس پروپیگنڈے کی قلعی بہت جلد کھل گئی۔ ماہرین نے بتایا کہ ان دونوں بیجوں کی نشو و نما کے لئے ایک تو آبپاشی کی بہت زیادہ ضرورت پڑتی ہے جس کے وسائل پاکستان میں محدود ہیں۔ دوسرے ان بیجوں کا پودا کھاد کثرت سے مانگتا ہے اور اگر کیمیاوی کھاد استعمال کی جائے تو ۲۵-۲۰ برس میں کھیتی بنجر اور بانجھ ہو جاتی ہے۔ تیسرے میکسی پاک اور اری پاک چاول دونوں کے بیجوں اور پودوں پر کیڑے مکوڑوں کا ہجوم ہو جاتا ہے۔ لطف یہ ہے کہ یہ تینوں نقائص امریکی صنعت کاروں کے حق میں

جاتے تھے بلکہ اگر کہا جائے کہ ''سبز انقلاب'' کے بانی خود بھی چاہتے تھے کہ یہ نقائص پیدا ہوں تو غلط نہیں کیوں کہ ان کے پیش نظر کاشت کاروں اور صارفوں کا فائدہ نہیں تھا بلکہ فالتو پیداوار کو ہڑپ کرنے کے علاوہ اپنا وہ مال فروخت کرنا بھی تھا جو امریکہ میں ضرورت سے زائد تیار ہو چکا تھا - چنانچہ جونہی ان نقائص کا چرچا عام ہوا ، ہمارے اخبارات اور ریڈیو کے ذریعے یہ اعلان ہونے لگے کہ فاسفیٹ اور نائیٹریٹ کی کھادیں استعمال کرو ، کیڑے مکوڑے مارنے والی ادویہ کا استعمال بڑھا دو ، آب پاشی کے لئے ٹیوب ویل لگاؤ - اسی پر بس نہیں امریکہ کے امدادی اداروں نے حکومت پاکستان کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ قرض ہم سے لے اور کھادیں اور ادویہ منگوائے - چنانچہ گذشتہ دس برس میں اربوں روپے کا یہ سامان پاکستان میں آ چکا ہے - لیکن اس بات پر بہت کم غور کیا گیا کہ آخر ملک کو کیا فائدہ پہنچا ؟

نئے بیج کے معجزے

ابتدا میں کہا گیا تھا کہ معجز نما بیجوں کے طفیل گندم ، چاول اور مکئی کی پیداوار میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے ، پہلے اگر ایک ایکڑ زمین میں ۸۰۸ من گندم پیدا ہوتی تھی تو اب ۱۲۰۶ من پیدا ہوتی ہے - اسی طرح چاول کی فی ایکڑ

پیداوار بھی ۱۲-۱۰ من فی ایکڑ سے بڑھ کر ۸۰-۷۰ من ہو گئی ہے۔ وزارت زراعت کے اعداد و شمار کے مطابق ۶۸-۱۹۶۷ء میں ایک کروڑ ۴۲ لاکھ ستر ہزار ٹن چاول اور ۶۳ لاکھ ۷۵ ہزار ٹن گیہوں پیدا ہوئے۔ تین سال بعد ۷۰-۱۹۶۹ء میں یہ مقدار علی الترتیب ایک کروڑ ۱۴ لاکھ ۶۲ ہزار اور ۷۲ لاکھ ۸۱ ہزار ہو گئی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی سوچنا چاہیے کہ اسی عرصہ میں چاول کا زیر کاشت رقبہ ۲ کروڑ ۷۹ لاکھ ۴۵ ہزار ایکڑ سے بڑھ کر ۲ کروڑ ۹۳ لاکھ ۶۳ ہزار اور گندم کا زیر کاشت رقبہ ایک کروڑ ۴۹ لاکھ ۶۷ ہزار سے بڑھ کر ایک کروڑ ۵۶ لاکھ ۸۹ ہزار ہو گیا۔ جس کے یہ معنی ہوئے کہ پیداوار میں اضافہ کا سبب سبز انقلاب نہیں بلکہ کاشت کے لئے نئی زمینوں کا استعمال ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ کھادوں کے استعمال اور آبپاشی میں اضافہ کے باعث فی ایکڑ پیداوار میں بھی اضافہ ہوا تو یہ غلط نہیں لیکن اس کی قیمت کیا ادا کرنی پڑی؟

تیسرے منصوبہ کے خاتمہ تک پاکستان میں ۲۲ ہزار ٹن سپر فاسفیٹ ۵۷ ہزار ٹن ایمونیم سلفیٹ اور دو لاکھ ۹۷ ہزار ٹن اریا کی کھاد تیار کی گئی۔ اس کے علاوہ بیرونی ممالک سے بھی کھاد درآمد ہوئی۔ یہ کھاد اتنی مہنگی تھی کہ اس کی فروخت پر حکومت کو مغربی پاکستان میں ۳۵ فیصد اور

مشرق پاکستان کو ۵۲ء۵۷ فیصد ''امدادی رقم'' دینا پڑی جو ۶۵-۱۹۶۴ء میں چار کروڑ نوے لاکھ روپے سے بڑھ کر ۷۰-۱۹۶۹ء میں ۱۳ کروڑ ۴۰ لاکھ روپے ہو گئی ۔ اسی طرح پودوں کو کیڑے مکوڑوں سے محفوظ رکھنے کے لئے کروڑوں روپے کی ادویہ برآمد کی گئیں ۔ پھر آلات کشاورزی اور آب پاشی پر بھی بے پناہ خرچ ہوا ۔ لیکن نتیجہ کیا نکلا ؟ گندم چاول اور دوسری تمام غذائی اجناس کی لاگت میں اضافہ کے باعث نرخ بھی آسمان سے باتیں کرنے لگے ۔

۶۶-۱۹۶۵ء میں گندم کی اوسط قیمت ۱۵-۱۶ روپے من تھی ۔ لیکن بڑھتے بڑھتے ۷۰-۱۹۶۹ء میں ۲۲ روپے ہو گئی اور اب تیس روپے تک پہنچ چکی ہے اسی طرح درمیانہ درجہ کا چاول ۲۷-۲۸ روپے من تھا لیکن ۶۸-۱۹۶۷ء میں ۵۰ روپے تک پہنچ گیا ۔ مشرق پاکستان سے رشتہ منقطع ہونے کے بعد ہزاروں ٹن چاول فالتو پڑا ہے لیکن قیمتوں میں تخفیف کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ۔ وجہ ظاہر ہے ، سبز انقلاب کی برکت سے اناج کی پیداوار کا لاگت میں اتنا اضافہ ہوا ہے کہ قیمتوں کو قابو میں رکھنا ممکن نہیں رہا ۔

مہنگائی اور بے روزگاری

ابتدا میں کہا گیا تھا کہ فالتو اناج برآمد کیا جائے گا لیکن بیرونی ممالک میں گندم کی قیمت گیارہ روپے من اور

چاول کی ۲۵ روپے من ہے اس لئے پاکستان کی گراں قیمت پیداوار کے فروخت ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ پاکستان میں جو اناج اگایا جا رہا ہے جب وہ درون ملک کی ضروریات کے لئے کافی نہیں تو بیرون ممالک کے لئے کہاں سے آئے گا۔ صدر ایوب کے عہد میں اس زمانہ کے وزیر زراعت (مغربی پاکستان) یہ کہتے نہیں تھکتے تھے کہ ہم عنقریب لاکھوں من گندم ترکی اور دوسرے ممالک کو بھجوا رہے ہیں۔ لیکن کسی نے نہ پوچھا کہ بھلے مانس، اگر تمہارے پاس فالتو اناج ہے تو باہر سے دھڑا دھڑ کیوں منگوا رہے ہو؟ وزارت زراعت اور مرکزی دفتر شماریات کے اعداد و شمار کے مطابق پاکستان نے بیرونی ممالک سے جو گندم، چاول اور چینی درآمد کی وہ ذیل کے نقشہ سے ظاہر ہے۔

سال	گندم	چاول	چینی	
۱۹۶۶-۶۷ء	۱۷،۷۰،۸۰۳	۱،۹۰،۷۹۹	۲۶۹	ٹن
۱۹۶۷-۶۸ء	۲۱،۲۰،۵۴۹	۱،۵۰،۲۲۷	۸،۱۶۴	"
۱۹۶۸-۶۹ء	۷،۵۴،۷۵۳	۶۶،۰۰۰	۲،۵۷،۳۱۹	"
۱۹۶۹-۷۰ء	۱۱،۰۷،۳۶۹	۱،۱۹،۹۲۹	۱۳،۲۹۲	"

ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ سب سے زیادہ گندم چاول اور چینی کی درآمد عین اس سال ہوئی جب ریڈیو؛ اخبارات اور

دوسرے ذرائع ابلاغ گلا پھاڑ پھاڑ کر کہہ رہے تھے کہ پاکستان ایک ''سبز انقلاب،، سے دوچار ہو چکا ہے اور دیہات میں روپے پیسے کی اتنی ریل پیل ہے کہ اسے اکٹھا کرنے کے لئے تمام بنکوں کو اپنی شاخیں ملک بھر میں پھیلا دینی چاہئیں -

واقعہ یہ ہے کہ ''سبز انقلاب،، سے ملک کو معاشی بدحالی، بےروزگاری اور مہنگائی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ حال ہی میں سمندر پار ترقیاتی کونسل کے ایک ایسوسی ایٹ میکوڈی اے شاہ نے ''روزگار اور زرعی ترقی،، کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا ہے جس میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ معجز نما بیجوں سے چونکہ پیداوار بڑھ گئی ہے اس لئے ترقی پذیر ممالک میں مزدوروں کی مانگ میں بھی ۲۰ سے ۵۰ فیصد تک اضافہ ہوا ہے - جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے اعداد و شمار اس دعویٰ کی تصدیق نہیں کرتے - ۱۹۶۰ سے ۱۹۷۰ء کے ڈھاکہ میں ٹریکٹروں کی تعداد تین سو سے بڑھ کر بیس ہزار ضرور ہو گئی لیکن اس کے مقابلہ میں مزدوروں کی مانگ میں بھی پچاس فیصد تخفیف ہوئی . پاکستان میں ۲۵ ایکڑ سے بڑے کھیتوں میں جن کا مجموعی رقبہ وو کروڑ ایکڑ سے کم نہیں - ۱۲ لاکھ مزدور کام کرتے ہیں اس لئے خطرہ ہے کہ اگر مشینی کاشت میں برابر کا اضافہ ہوتا رہا تو اگلے پندرہ سال میں کم از کم

چھ سات لاکھ مزدور بے روزگاری کا شکار ہو جائیں گے ۔ مسٹر شاہ نے کہا ہے کہ فالتو مزدور ان ذیلی صنعتوں میں کھپ جائیں گے جو زرعی ترقی کے نتیجہ میں قائم ہوں گے ۔ مثال کے طور پر بھارت میں ڈبل روٹی بنانے والے کارخانوں میں ۹۲۶۷۵۸ ایسے مزدور کام کرنے لگے ہیں جو مشینی کاشت کے نتیجہ میں بیکار ہوئے تھے، اسی طرح انہوں نے ڈسکہ (سیالکوٹ) میں ڈیزل انجن کی صنعت کا ذکر کیا ہے، حالانکہ اس میں ایک ہزار سے زائد مزدور نہیں کھپ سکے ۔

غرض جہاں تک اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ ''سبز انقلاب،، سے پیداوار میں اضافہ ہوا ہے پاکستان کے تجربہ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا ۔ مشرقی پاکستان میں یہ انقلاب اس لئے ناکام رہا کہ آبپاش رقبہ میں بارش کی کثرت کے باعث پانی کو اتضباط میں رکھنا ناممکن ہو گیا، مغربی پاکستان میں موٹے چاول اور میکسی پاک کی پیداوار میں پہلے سال ضرور اضافہ ہوا ۔ لیکن اس کا فائدہ بڑے زمینداروں کے سوا کسی کو نہیں پہنچ سکا ۔ غذائی اعتبار سے یہ دونوں اجناس اتنی گھٹیا ثابت ہوئیں کہ عوام نے ان کو مسترد کر دیا ہے اور وہ حتی‌الوسع بلیک سے دیسی گندم اور باسمتی چاول خرید کر گزارا کر لیتے ہیں ۔ لیکن یہ پسند نہیں کرتے کہ ان کو اری چاول یا میکسی پاک گندم کھانے کو ملے ، زمیندار بھی یہ دونوں

فصلیں محض مجبوری کے تحت بو رہے ہیں ورنہ ان کو کرم کش ادویہ اور کیمیاوی کھاد کے استعمال نے اس درجہ پریشان کر رکھا ہے کہ وہ چاول اور گندم کی بجائے کوئی نقد آور فصل (مثلاً گنا ، کپاس ، پٹ سن) بونے کو ترجیح دیتے ہیں ۔ جہاں تک گندم اور چاول سے زرمبادلہ کمانے کا تعلق ہے اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ کیوں کہ نہ تو برآمد کے لئے فالتو اجناس ہے نہ قیمتوں کے لحاظ سے ان کا عالمی بازار میں کوئی مقابلہ ہے ۔

پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ''سبز انقلاب،، کے نتیجہ میں گیہوں اور چاول کی پیداوار بے شک بڑھ جاتی ہے ۔ لیکن اس سے زرعی نظام میں بہت سے ایسے عیوب پیدا ہو جاتے ہیں جن کا تدارک زرعی انقلاب کے سوا کسی طرح نہیں ہو سکتا ۔ مثلاً تجربہ بتاتا ہے کہ ''سبز انقلاب،، کے بعد اکثر مالکان اراضی اپنے مزارعین کو بے دخل کرنا شروع کر دیتے ہیں تاکہ تمام منافع وہ خود ہڑپ کر سکیں ۔ اسی طرح بعض مالکان اراضی ''لگان،، بڑھا دیتے ہیں ۔ ادھر چونکہ زراعت کاری تاجر پیشہ لوگوں کے لئے نفع بخش ہو جاتی ہے اسلئے وہ قیمتوں میں آگ لگانے سے دریغ نہیں کرتے ۔ اسی طرح سبز انقلاب سے پیداوار ہی نہیں بڑھتی آمدنیوں میں تفاوت بھی بڑھ جاتا ہے بڑے زمیندار تو کھاد ، کرم کش ادویہ ، گوداموں

اور پانی کی فراہمی پر اپنا سرمایہ لگا کر بے دریغ منافع کما سکتے ہیں لیکن مفلوک الحال دہقان ، بے زمین کاشت کار اور مزدور کیا کریں؟ اُن کے لئے یہ تمام تکنیکی ترقی بے معنی اور بیکار ہوتی ہے۔ وہ قدرتی طور پر اپنے افلاس کا ذمہ دار بڑے زمینداروں کو ٹھہراتے ہیں اور اس طرح معاشری کشیدگی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ بین الاقوامی ادارے (آئی ایل او اور ایف اے او) اس صورت حال پر غور کر چکے ہیں لیکن وہ بھی اس کے سوا کوئی علاج تجویز نہیں کر سکے کہ معجز نما بیج ارزاں نرخ پر براہ راست چھوٹے کاشت کاروں اور مزارعوں کو فراہم کئے جائیں۔ لیکن یہ حل بھی اُس وقت تک معقول نہیں کہلا سکتا جب تک کاشتکاروں اور مزارعوں کو زمین کا مالک بھی نہ بنایا جائے۔ در اصل بات یہ ہے کہ سرمایہ دار ملک ''سبز انقلاب،، کو ''زرعی انقلاب،، کا ''بدل،، بنانا چاہتے ہیں جس میں وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ''سبز انقلاب،، سے چونکہ معاشی عدم مساوات اور معاشری کشیدگی میں اضافہ ہوتا ہے اس لئے وہ ''زرعی انقلاب،، کی جگہ نہیں لے سکتا۔

صدر ایوب کی اصلاحات اراضی

پاکستان میں ''سبز انقلاب،، کا دوسرا مرحلہ حد ملکیت کو انصاف کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا تھا۔ اس لحاظ سے بھی صدر ایوب کی اصلاحات فریب ثابت ہوئیں۔ ان کے

''اصلاحات اراضی کمشن،، نے سفارش کی کہ کسی شخص کو نہری علاقہ میں پانچ سو اور غیر نہری علاقہ میں ایک ہزار ایکڑ سے زیادہ زمین رکھنے کی اجازت نہ دی جائے لیکن بعض مستثنیات ایسی تجویز کیں کہ تمام اصلاحات کا اثر زائل ہو کر رہ گیا - مالکان اراضی کو اس بات کی اجازت دے دی گئی کہ وہ فالتو زمین میں یا تو باغات لگا لیں یا شکار گاہوں میں تبدیل کر لیں یا اپنے عزیز و اقارب کو تحفہ میں دے دیں نتیجہ یہ ہوا کہ پرنالہ وہیں کا وہیں رہا - بڑے زمیندار اور بھی بڑے زمیندار بن گئے اور چھوٹے کاشتکاروں کے حقوق کا تحفظ نہ ہو سکا - اول تو صرف پانچ ہزار افراد نے اپنے رقبے کا اعلان کیا جو ۵۵ لاکھ ایکڑ سے آگے نہ بڑھ سکا - حالانکہ تمام بڑے زمیندار صحیح صورت حال بتاتے تو یہ رقبہ ۳۷ لاکھ ایکڑ ہونا چاہئے تھا - بایں ہمہ ظاہر کردہ رقبہ میں سے ۲۳ لاکھ ایکڑ قیمتاً حکومت کے حوالے کئے گئے جس میں سے صرف ساڑھے سات لاکھ ایکڑ رقبہ دو لاکھ کاشتکاروں میں تقسیم ہوا چار لاکھ بیس ہزار ایکڑ بڑے زمینداروں نے اپنے وارثوں اور رشتہ دار خواتین کو دے دیئے اور آٹھ لاکھ پچاس ہزار ایکڑ زمین یا تو نیلام کر دی گئی یا سرکاری محکموں کی تحویل میں چلی گئی یا بڑے زمینداروں کو شکار گاہیں بنانے کے لئے دے دی گئی - اس طرح صدر ایوب کی حکومت کے خاتمہ تک

ساڑھے سات لاکھ ایکڑ ایسے بچ گئے جن کے بارے میں صدر بھٹو کے برسراقتدار آنے تک کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تھا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ صدر ایوب کی اصلاحات سے بیس لاکھ کاشتکاروں کو کسی حد تک فائدہ پہنچ سکا۔ جہاں تک بڑے زمینداروں کا تعلق ہے وہ پھر بھی اپنی ۶۷ فیصد زمین پر قابض رہے۔ جو زمین انہوں نے حکومت کے حوالے کی وہ ناکارہ اور گھٹیا تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ۲۴ لاکھ ایکڑ میں سے صرف چار لاکھ ساٹھ ہزار ایکڑ زمین کاشتکاروں نے خریدی باقی ۳۲ فیصد زمین اگر ابھی تک قابل فروخت پڑی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ناقابل فروخت ہے۔ پھر جو زمین شکارگاہوں کے لئے وقف کی گئی ہے وہ حاصل کردہ زمین کا ۱۸ فیصد ہے اور اس کا شمار زرخیز ترین اراضی میں ہوتا ہے۔ اس طرح بڑے زمیندار کسی صورت میں بھی خسارے میں نہیں رہے۔ ایک طرف انہوں نے ناکارہ زمین منہ مانگے داموں فروخت کر دی دوسری طرف بہترین زمین پر قابض رہے اور شکارگاہیں اور باغات مفت ہاتھ میں آ گئے۔ پھر ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ جو رقبہ زمینداروں سے قیمتاً خریدا گیا وہ پھر زمینداروں اور سرکاری افسروں میں تقسیم کر دیا گیا۔ چنانچہ کم از کم دو لاکھ ایکڑ رقبہ ایسا تھا جو صرف ۶۶ افراد کو بلا کرایہ پٹہ پر دے دیا گیا۔ اس طرح غائب باش

زمینداروں کا ایک نیا طبقہ پیدا ہوگیا جس نے مزارعت کے مسئلہ کو اور بھی الجھا دیا ۔ بڑے زمینداروں کی اکثریت ایسی ہے جس نے مالکانہ حقوق قومی غداری کے عوض انگریز سے حاصل کئے تھے اس لئے چاہئے تو یہ تھا کہ تمام زمینیں بلا معاوضہ چھین لی جائیں لیکن زرعی اصلاحات کمشن نے ان کا معاوضہ پیداواری صلاحیت کے لحاظ سے مقرر کیا جس سے مالکانہ اراضی نے خوب خوب فائدہ اٹھایا ۔ دوسرے اس معاوضہ کو سرکاری کفالتوں میں منتقل کرنے کی اجازت کے باعث ان کو ایک طویل مدت تک معقول آمدنی کا ذریعہ میسر آگیا حصول اراضی کے بعد چونکہ زرعی پیداوار اور زمین دونوں کی قیمتوں میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے اس لئے بڑے زمیندار خسارے میں نہ رہے بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ امیر اور خوشحال ہوگئے ۔

زرعی انقلاب کا پیش خیمہ

صدر بھٹو نے ''زرعی اصلاحات،، کا اعلان کیا تو قدرتی طور پر نام نہاد ''سبز انقلاب،، کی یہ تمام قباحتیں اور خرابیاں ان کے پیش نظر تھیں ۔ انہوں نے حد ملکیت کے سوال کو معاشری انصاف کے فلسفہ کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کی ہے پاکستان میں صرف ایک لاکھ مالکان اراضی ایسے ہیں جن کے پاس ۲۵ ایکڑ سے زائد رقبہ ہے اور ان میں

سے بعض کا رقبہ چالیس چالیس پچاس پچاس ہزار ایکڑ سے بھی زائد ہے ان کے مقابلہ میں ۹۲ فیصد زمینداروں کے پاس مجموعی رقبہ کا صرف ۵۷ فیصد ہے اور وہ بھی چھوٹے چھوٹے کھیتوں میں بٹا ہوا ہے جن پر کاشت کاری کسی صورت میں بھی نفع بخش ثابت نہیں ہو سکتی - ملکیت اراضی کی اس غیر مساویانہ تقسیم کا اثر لازمی طور پر پیداوار پر پڑتا ہے - بڑے زمیندار اپنے پورے رقبہ کو کاشت میں نہیں لاتے بلکہ وہ خزانے پر سانپ بن کر بیٹھے ہوئے ہیں - ان کی اکثریت غائب باش ہے وہ دیہات کی بجائے شہروں میں بود و باش رکھتے ہیں ان کی دلچسپی کھیت سے زیادہ سیاست اور افسر شاہی سے وابستہ ہوتی ہے - مزارعوں کو چونکہ حق ملکیت حاصل نہیں ہوتا اس لئے ان کی محنت کا ۵۷ تا ۹۰ فیصد ثمرہ مالکان اراضی اٹھا کر لے جاتے ہیں اور وہ کبھی پوری دلجمعی سے کام نہیں لیتے - اسی صورت حال سے متاثر ہو کر گلبرتھ نے ''معاشی ترقی کا مطالعہ،، میں لکھا تھا :

''سمجھ میں نہیں آتا کہ پاکستان میں (یا کہیں بھی) کوئی کسان عمدہ بیجوں کے ذریعے اپنی آمدنی میں اضافہ کیوں کرے - جب وہ جانتا ہے کہ اس کی تمام پیداوار محکمہ مالگزاری اور بڑا زمیندار اٹھا کر لے جائے گا اور اس کے پاس سال بھر کی روٹی کے لئے کچھ نہ رہے گا - اس اندیشہ کو دور

کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اس کے پاس وافر اور اپنی زمین ہو تا کہ وہ اپنی محنت کا پھل خود کھا سکے ۔

پیداواری اشاریہ

صدر بھٹو نے تقسیم اراضی کے اس غیر منصفانہ اور غیر معاشی تفاوت کو دور کرنے کے لئے یہ قرار دیا ہے کہ کوئی شخص نہری علاقہ میں ڈیڑھ سو ایکڑ اور غیر نہری علاقہ میں تین سو ایکڑ سے زیادہ زمین اپنے پاس نہیں رکھ سکتا ۔ زائد زمین کاشتکاروں اور مزارعوں میں تقسیم کر دی جائے گی ۔ حد ملکیت کے تعین کے لئے معیار حسب سابق ''پیداواری اشاریہ،، کو بنایا گیا ہے ۔ پیداواری اشاریہ اس طرح نکالا جاتا ہے کہ مجموعی پیداوار کو رقبہ پر تقسیم کر کے اسے اضلاعی عدد متناسبہ سے ضرب دے دی جاتی ہے ۔ اضلاعی عدد متناسبہ زمین کی زرخیزی کے مطابق ہر علاقے کا جداگانہ ہے ۔ مثال کے طور پر لاہور کے قریب و جوار میں ایک مربع یا ۲۵ ایکڑ زمین میں اگر ایک ہزار من گندم پیدا ہوتی ہے تو ایک ہزار کو ۲۵ پر تقسیم کر کے ۲ سے ضرب دی جائے تو پیداواری اشاریہ نکل آتا ہے ۔ اس طرح لاہور کا اشاریہ ۸۰ ہے ، لیکن لائلپور ، منٹگمری یا اوکاڑہ اور حیدرآباد کا اشاریہ اس سے مختلف ہوگا کیوں کہ لاہور کی زمین کے بارے میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ زرخیزی کے لحاظ سے وہ دوگنا

ہے لیکن لائلپور کی پیداوار اس سے بھی زیادہ ہے - اسی طرح ہر ضلع کا اشاریہ جداگانہ ہے - پیداواری اشاریہ نکالنے کا یہ طریقہ ۱۹۴۸ء کے بعد (جب موجودہ بندوبست ہوا) اختیار کیا گیا تھا - اس میں شبہ نہیں کہ موجودہ حالات میں یہ اشاریہ فرسودہ ہو چکا ہے ، زرخیزی اور قیمت کے لحاظ سے اس پر نظر ثانی ہونی چاہئیے تاہم جو لوگ یہ اعتراض کر رہے ہیں کہ اس اشاریہ کو معیار بنانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بعض مقامات پر تو زمینداروں کے پاس ڈیڑھ سو ایکڑ رہ جائیں گے اور بعض کے ہاتھ ساڑھے چار سو ایکڑ آئیں گے - ان کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے کہ مقصد اراضی اور آمدنی کو ایک حد کے اندر رکھنا تھا - یہ مقصد اس طریقہ سے بوجوہ احسن پورا ہو جاتا ہے - اصلاحات سے پہلے ملکیت غیر محدود تھی - صدر ایوب نے اسے محدود کرنا چاہا لیکن مستثنیات کے باعث وہ پھر غیر محدود رہی - صدر بھٹو کی اصلاحات نے چونکہ مستثنیات کی گنجائش نہیں رکھی اس لئے ملکیت محدود ضرور ہو جائے گی - اس میں زمین کی نوعیت کے لحاظ سے تھوڑا بہت تفاوت رہے تو اس سے آمدنی میں فرق نہیں پڑتا -

زرعی آمدنیوں کا معیار

دیکھنا یہ چاہئیے کہ ملکیت کو ایک حد کے اندر رکھنے سے زرعی آمدنی بھی ایک حد کے اندر آ گئی یا نہیں ؟ پنجاب

بورڈ آف اکونامک انکوائری نے آج سے چند سال پیشتر زرعی آمدنیوں کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ مالک کاشت کاروں کی بالمقطع سالانہ آمدنی نہری علاقوں میں ۳۴۷ روپے اور بارانی علاقوں میں ۱۱۸ روپے ہے۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ نہری علاقوں میں کسی کے پاس پانچ سو ایکڑ (۲۰ مربع) ہوں تو اس کی بالمقطع سالانہ آمدنی ایک لاکھ تہتر ہزار پانچ سو روپے ہوگی یا یوں کہئے کہ وہ ساڑھے چودہ ہزار روپے ماہوار کمائے گا۔ اسی طرح بارانی علاقوں میں ایک ہزار ایکڑ سے ایک لاکھ اٹھارہ ہزار روپے کی بالمقطع سالانہ (یا ۹۸۰ روپے ماہوار) آمدنی ہوتی ہے۔

ظاہر ہے یہ آمدنی شہری آمدنیوں کے اوسط سے بہت زیادہ ہے۔ مغربی پاکستان میں فی کس سالانہ آمدنی سات سو روپے سے زیادہ نہیں۔ گویا ایک خاندان سال بھر میں بمشکل ۳۸۵۰ روپے کماتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں اگر دیہات میں کوئی خاندان ۱,۷۳,۵۰۰ روپیہ یا ۱,۱۸,۰۰۰ روپیہ سالانہ کماتا ہے تو ظاہر ہے یہ ایک ایسا معاشرتی ظلم ہے جس کو کسی صورت برداشت نہیں کیا جا سکتا لیکن صدر ایوب نے حد ملکیت پانچ سو اور ایک ہزار مقرر کر کے یہ ظلم روا رکھا صدر بھٹو نے اس ظلم کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اول تو انہوں نے ملکیت خاندان کی بجائے افراد کے ہاتھ میں دے دی ہے جس

کا فائدہ یہ ہوگا کہ دولت کا ارتکاز نہیں ہو سکے گا بلکہ انتشار رہے گا۔ ایک ہی خاندان کے افراد میں اتحاد ضروری نہیں ہوتا۔ باپ بیٹے کے خلاف ہو سکتا ہے۔ خصوصاً سیاست میں نقطہ نگاہ مختلف ہو سکتا ہے۔ اس لئے زمین کنبہ کے ہاتھ میں دینے کی بجائے اس کے ارکان میں بانٹ دی جائے تو یہ زیادہ قرین انصاف ہے اور اس سے بہت سی خاندانی مشکلات اور قانونی پیچیدگیوں کا ازالہ ہو جائے گا۔ چند سال بعد جب یہ زمین ورثا میں تقسیم ہوگی تو مالکانہ زور خود بخود ٹوٹ جائے گا۔ دوسرے ملکیت کا معیار پیداواری اشاریہ ہے نہ کہ رقبہ، نہری رقبہ ڈیڑھ سو ایکڑ ہو یا تین سو یا چار سو۔ پیداواری اشاریہ پندرہ ہزار رہے گا۔ پنجاب بورڈ آف اکونامک انکوائری کی تحقیق کے مطابق پیداواری اشاریہ کے ایک واحد یونٹ سے چار یا پانچ روپے بالمقطع آمدنی ہوتی ہے۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ جس شخص کے پاس نہری علاقہ میں ڈیڑھ سو یا غیر نہری علاقہ میں تین سو ایکڑ زمین ہے اس کی بالمقطع آمدنی کم از کم ساٹھ ہزار روپے سالانہ ہوگی۔ گویا پانچ ہزار روپیہ ماہوار۔ اس آمدنی پر چونکہ انکم ٹیکس کی تجویز بھی زیر غور ہے اس لئے ظاہر ہے کہ دیہات میں آمدنیوں کا معیار بھی قریب قریب وہی ہو جائے گا جو شہروں میں صنعتوں کو قومی ملکیت میں لینے کے بعد متوقع ہے موجودہ حالات میں بھی صدر بھٹو کی

اصلاحات کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ کم از کم زرعی آمدنیوں کی تحدید ہوگئی پہلے اگر لاکھوں روپے کا تفاوت تھا تو اب چند ہزار کا رہ گیا۔ رفتہ رفتہ یہ فرق بھی دور ہو جائے گا اور آمدنیوں کی سطح بڑی حد تک ہموار ہو جائے گی۔

مزارع و مالک کے تعلقات

حد ملکیت مقرر کرنے کے بعد مالک اور مزارع کے تعلقات کا سوال آتا ہے۔ پاکستان میں ۲۱ لاکھ کے قریب مزارع محض ہیں جو ایک کروڑ ۹۲ لاکھ ایکڑ پر کاشت کرتے ہیں اس کے علاوہ آٹھ لاکھ ایسے مزارع ہیں جو چھوٹی چھوٹی زمینوں کے مالک بھی ہیں۔ اب تک جتنی اصلاحات نافذ کی گئی ہیں ان کا مقصد بڑے زمینداروں کے مفاد کے تحفظ کے سوا کچھ نہ تھا۔ موروثی مزارعوں کو مالکانہ حقوق دیئے گئے لیکن شرط چونکہ یہ تھی کہ جو مزارع تین چار سال تک کسی زمین پر ہل جوتے وہ مالک بن جائے گا اس لئے بڑے بڑے زمیندار یہ شرط کبھی پوری نہیں ہونے دیتے تھے اور چار سال سے پہلے ہی اسے بے دخل کر دیتے تھے۔ اس کے علاوہ کھیتی باڑی کے مصارف تو مزارع دیتا تھا لیکن فصل مالک آکر اٹھا کر لے جاتا تھا۔ بظاہر بٹائی کا تناسب ساٹھ اور چالیس تھا لیکن بے گار، خرچہ، منشیانہ، کمیانہ، کرایہ اور اسی قسم کے بے شمار نذرانے اور جرمانے ادا کرنے کے بعد مزارع کو

بالفصل ۷۵ تا ۹۰ فیصد آمدنی مالک کے حوالے کرنا پڑتی تھی - صدر بھٹو نے مالک اور مزارع کے تعلقات کو خوشگوار بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے ایک تو یہ قرار دیا ہے کہ بیج کے اخراجات مالک دے گا اور باقی مصارف مالک و مزارع مساویانہ ادا کریں گے - جہاں تک ٹیکسوں کا تعلق ہے وہ بھی مالک کو ادا کرنے ہوں گے - پھر مالک اگر اراضی کو فروخت کرنا چاہے تو خریدنے کا پہلا حق مزارع کو ہوگا - اس طرح مزارع کا بوجھ بڑی حد تک ہلکا ہوگیا ہے اور اب وہ پوری محنت اور دلجمعی سے کام کر سکے گا - جہاں تک چھوٹے کاشت کاروں اور زرعی مزدوروں کا تعلق ہے اول تو اُن کو زمین خریدنے کا حق ہے دوسرے اُن کی بہتری و بہبود کے لئے بہت سی ترقیاتی سکیمیں نافذ کی جا رہی ہیں ان سے وہ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں - بحیثیت مجموعی زرعی اصلاحات نے سبز انقلاب کے ڈھونگ کو ختم کر کے ایک ایسے نظام کی بنیاد رکھ دی ہے جس کے خاکہ میں خلوص نیت سے رنگ عمل بھرا جائے تو یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ایسا تاریخی عمل شروع ہو جائے گا جو چند ہی سال کے اندر زرعی انقلاب برپا کر سکتا ہے لہٰذا دیکھنا یہ ہے کہ جو پروگرام پیش کیا گیا ہے اس پر عمل کس طرح کیا جاتا ہے ؟

باب ۳٦

تصریحات اور گوشوارے

۱ - عوامی زرعی اصلاحات

۲ - چند تصریحات

۳ - زرعی اصلاحات سے متاثرہ رقبے

۴ - زرعی فارمولوں کی نوعیت ، تعداد اور رقبے

۵ - زرعی اصلاحات ۱۹۷۲ء زرعی مزدوروں کی تعداد

٦ - پیداواری اشاریہ مختلف اضلاع میں

عوامی زرعی اصلاحات

بڑے زمینداروں سے جو زمین لی جائے گی وہ بے زمین کاشتکاروں کو دیدی جائے گی۔

آبیانہ، مالیانہ، بیج کی قیمت اور سارے ٹیکس مزارع یا ہاری نہیں بلکہ زمینوں کے مالک (زمیندار) ادا کریں گے۔

کوئی فرد ڈیڑھ سو ایکڑ نہری اور تین سو ایکڑ بارانی زرعی زمین سے زیادہ زمین نہیں رکھ سکے گا۔

اس مقررہ حد سے زیادہ زمین زمینداروں سے بلا معاوضہ حاصل کر کے غریب کسانوں میں مفت تقسیم کر دی جائے گی۔

آئندہ کوئی زمیندار، زارعین سے نہ بلا معاوضہ خدمت لے سکے گا اور نہ جبری لگان وصول کر سکے گا۔

کسانوں کی ایک طرفہ اور ظالمانہ بیدخلی کی کارروائیاں فوراً بند کر دی گئی ہیں۔

پیراجوں کی نئی زمینیں ایک سو ایکڑ چھوڑ کے سرکاری افسروں سے واپس لے لی جائیں گی۔ دوسرے علاقوں میں بھی سرکاری ملازمین کے لئے ملکیت کی یہی حد ہوگی۔

دفاعی افواج کے لئے مناسب زمین مخصوص ہوگی۔

چند تصریحات

جناب غلام مصطفیٰ جتوئی، وزیر سیاسی امور نے پریس

کانفرنس میں صحافیوں کے سوالات کے جواب میں کہا :

۱ - بے زمین کاشتکاروں کو واپس لی ہوئی زمینوں کا مالک بنانے کی کارروائی زمینداروں کے گوشواروں کی چھان بین کے بعد شروع ہوگی اور یہ اسکیم یکم جولائی سے عمل میں آئے گی -

۲ - گورنمنٹ کا عزم ہے کہ ہر بے زمین کاشت کار کو گزارہ یونٹ پنجاب اور سرحد میں ساڑھے بارہ ایکڑ اور سندھ میں ۱٦ ایکڑ نہری علاقوں میں اور ۳۲ ایکڑ بارانی زمین ہر صوبے میں دی جائے -

۳ - زمینداروں سے واپس لی جانے والی زمین کی مقدار اور بے زمین کاشت کاروں کی تعداد کا حساب اب لگایا جائے گا اس سے قبل یہ کام اس لئے نہیں شروع کیا گیا کہ زرعی اصلاحات کی بنیادی باتیں قبل از وقت عام نہ ہو جائیں -

۴ - یہ اصلاحات بنیادی ہیں اور اسمبلی کو پورا اختیار ہوگا کہ وہ مزید اصلاحات پر غور کرے -

۵ - جن افسروں نے دفاعی پٹی میں زمینیں حاصل کی تھیں اور بعد کو اندرونی محفوظ علاقوں سے ان کا تبادلہ کر لیا - ان کے نام عوام کی اطلاع کی غرض سے شائع کئے جائیں گے -

٦ - جن شکار گاہوں کو حکومت کے زیر انتظام رکھنا تجویز کیا گیا ہے اُن کے بارے میں حکومت چھان بین کرے گی اور خاص طور سے جنگلی جانوروں کی زندگی اور نسلوں کے تحفظ کے نقطۂ نظر سے مسئلہ کا جائزہ لے گی - ان کے علاوہ دوسری شکار گاہوں کی زمین کاشت کاروں میں تقسیم کر دی جائے گی -

۷ - جو متروکہ زمین پٹے پر دی گئی ہے وہ بھی مقررہ حد یعنی پندرہ سو یونٹ کے علاوہ حکومت واپس لے لے گی -

۸ - درگاہوں اور مزاروں سے تعلق رکھنے والی زمین بھی ان اصلاحات کے تحت آئے گی -

۹ - بہت سی سرکاری زمین بھی موجود ہے جو کاشتکاروں کو دی جائے گی - چھ لاکھ پچیس ہزار ایکڑ ایسی زمین سندھ کے بیراجوں کے علاقے میں ہے اور چالیس لاکھ ٹل فیڈر کے علاقے میں ہے -

صدر وضاحت کر چکے ہیں کہ موجودہ اصلاحات کے تحت ہر شخص زیادہ سے زیادہ ۱۸ ہزار یونٹ زمین اپنے پاس رکھ سکے گا بمقابل اُس رقبے کے جو ۱۹۵۹ء کے اصلاحات کے تحت ورثاء کو منتقل کرنے کے لئے مخصوص کیا گیا تھا - ۱۵۰ ایکڑ

کی حد اُس اضافی رقبے کے مساوی ہے جو سابقہ زرعی اصلاحات میں باغات کے لئے رکھا گیا تھا۔ جو حد موجودہ اصلاحات میں مقرر کی گئی ہے اُس کے نتیجے میں زمینداروں کے پاس موجودہ زمین کا فقط تیس فیصدی حصہ باقی رہ جائے گا۔

زرعی اصلاحات سے متاثرہ رقبے

۱۷ دسمبر ۱۹۷۲ء کی ایک اطلاع کے مطابق اراضی کی تقسیم پنجاب اور سندھ میں ۳۱ دسمبر تک اور سرحد اور بلوچستان میں ۳۱ مارچ تک ختم ہو جائے گی۔

عوامی زرعی اصلاحات کے تحت جو زمین چار صوبوں میں واگزار ہوتی ہے وہ درج ذیل ہے:

پنجاب	۱۹,۳٦,۴۸۸	ایکڑ
سندھ	۱۰,٦۰,۷۳۹	,,
سرحد	۲,۹۸,۸۹۰	,,
بلوچستان	۷,٦۸,۸۳۳	,,

مغربی پاکستان میں قابل کاشت رقبہ ۷ کروڑ ۹۰ لاکھ ایکڑ اور زیر کاشت رقبہ ۴۷,٦ لاکھ ایکڑ ہے۔

گزشتہ زراعت شماری کے مطابق اس رقبہ پر پچاس لاکھ خاندان آباد ہیں۔ ان میں سے اکثریت چونکہ مزارعین کی ہے

اس لئے بڑے زمینداروں سے زمین لے کر انہی میں تقسیم کی جائے گی۔

"اراضی کمشن" کے اعداد و شمار کے مطابق چھ سو بڑے زمینداروں کے پاس جتنی زمین ہے۔ آتنی تیس لاکھ کاشتکاروں کے پاس اجتماعی طور پر بھی نہیں ہے۔ اندازہ ہے کہ بڑے زمیندار ۱۷ لاکھ ایکڑ زمین پر قابض ہیں۔ زرعی اصلاحات کے مطابق اسی میں سے نصف کے قریب زمین لے کر کاشت کاروں میں تقسیم کی جائے گی۔ اب تک چالیس لاکھ ایکڑ زمین واگزار ہو چکی ہے۔

زرعی اصلاحات ۱۹۷۲ء

متاثرہ رقبہ

(الف) مارشل لا ۱۹۶۴ء کے تحت واگزار رقبہ : تقریباً دس لاکھ ایکڑ

(ب) مارشل لا ۱۹۷۲ء کے تحت واگزار رقبہ (۱۵۰۰ پیداواری یونٹ کے حساب سے) : ایک لاکھ ایکڑ سے زائد

(ج) مارشل لا ۱۹۷۲ء کے تحت واگزار رقبہ (۱۲۰۰ پیداواری یونٹ کے حساب سے) : تقریباً ایک لاکھ ایکڑ

(د) زرعی اصلاحات ۱۹۷۲ء کے

تحت مجموعی واگزار رقبہ : اندازاً دو لاکھ ایکڑ

متاثرہ مالکان اراضی

(الف) مارشل لا ۱۹۶۴ء کے تحت
متاثرہ مالکان اراضی : تقریباً تین سو

(ب) پندرہ سو پیداواری اشاریہ
یونٹ کی بنیاد پر متاثرہ
مالکان اراضی : تقریباً پانسو

(ج) بارہ سو پیداواری اشاریہ یونٹ
کی بنیاد پر مزید متوقع متاثرہ
مالکان اراضی : تقریباً چھ سو

(د) زرعی اصلاحات ۱۹۷۲ء کے
تحت مجموعی متاثرہ مالکان
اراضی : تقریباً گیارہ سو

متاثرہ مزارعین

(الف) ۱۹۶۴ء کی اصلاحات اراضی
کے تحت مستفید مزارعین : تقریباً اڑہائی ہزار

(ب) پندرہ سو پیداواری اشاریہ
یونٹ کے تحت مستفید مزارعین : تقریباً دس ہزار

(ج) بارہ سو پیداواری اشاریہ یونٹ

کے تحت متوقع مستفید
مزارعین : تقریباً سات ہزار

(د) زرعی اصلاحات ۱۹۷۲ء کے
تحت مستفید مزارعین : تقریباً سترہ ہزار

نوٹ : ۱۹۷۲ کی زرعی اصلاحات کے تحت جو رقبہ واگزار کیا گیا ہے وہ ۱۹۵۹ء کی بہ نسبت کہیں زیادہ زرخیز ہے اس لئے مزارعین کو حقیقی قیمت کے لحاظ سے بھی فائدہ رہے گا - ۱۹۵۹ء میں دس لاکھ ایکڑ رقبہ واگزار ہوا - لیکن اس میں بھی صرف سات لاکھ ایکڑ (یعنی ستر فیصد) تقسیم ہو سکا -

زرعی فارموں کی نوعیت ، تعداد اور رقبہ

علاقہ	زرعی فارموں کی نوعیت	تعداد	رقبہ ایکڑوں میں
مغربی پاکستان	کل فارم	۳۸۵۹۹۸۳	۳۸۹۲۹۵۸۳
	خود کاشت فارم	۱۹۹۷۷۳۶	۱۸۷۲۲۹۱۵
	وہ فارم جن میں مالک اراضی کے علاوہ دوسری اراضی بطور مزارع بھی کاشت کرتے ہیں -	۸۳۳۲۵۷	۱۱۰۱۱۵۹۳

	وہ فارم جو محض مزارعین کے زیر کاشت ہیں ۔	۲۰۲۷۹۰	۱۹۱۹۵۰۸۳
صوبہ سرحد	کل فارم	۶۷۴۳۸۹	۵۴۶۳۷۲۰
	خود کاشت فارم	۳۲۵۰۶۶	۱۸۷۰۵۷۲
	وہ فارم جن میں مالک اپنی اراضی کے علاوہ دوسری اراضی بطور مزارع بھی کاشت کرتے ہیں ۔	۱۳۷۳۵۰	۱۸۷۰۶۷۶
	وہ فارم جو محض مزارعین کے زیر کاشت ہیں ۔	۲۱۱۹۹۳	۱۷۲۲۵۷۳
صوبہ پنجاب	کل فارم	۳۳۲۶۲۱۷	۲۹۲۱۲۷۶۱
	وہ فارم جن میں مالک اپنی اراضی کے علاوہ دوسری اراضی		

	بطور مزارع بھی کاشت کرتے ہیں ۔	٦٢٢٧٨٦	٧١٨٠۴۴٣
	وہ فارم جو محض مزارعین کاشت کرتے ہیں ۔	١٢٨١٥٩٦	١١٨٦۴٦٣١
صوبہ سندھ	کل فارم	٦٩۴٦٧٢٠	١٠١٩٠۴٧٩
(بشمول کراچی)	خود کاشت فارم	١٥٠٠٥٦	٣٢٢٩٧٩٩
	وہ فارم جن میں مالک اپنی اراضی کے علاوہ دوسری اراضی بطور مزارع بھی کاشت کرتے ہیں ۔	٦٠٩١٩	١۴٧٣٩١٠
	وہ فارم جو محض مزارعین کاشت کرتے ہیں ۔	۴٨٣٧٢٧	٥۴٨٦٧٧٠
بلوچستان	کل فارم	١٦۴٦٥٥	۴٠٦١٦٢٣
	خود کاشت فارم	١٠٠٧٧٩	٢۴٥٣٨۴٧

وہ فارم جن میں مالک اپنی اراضی کے علاوہ بطور مزارع بھی کاشت کرتے ہیں۔	۱۳۲۰۲	۴۸۶۵۶۵
وہ فارم جو محض مزارعین کے زیر کاشت ہیں	۵۰۶۷۴	۱۱۲۱۲۱۱

ماخذ : گوشوارہ نمبر ۲ پاکستان کے زرعی شماریات ۱۹۶۰ء

زرعی ملازمین کی تعداد

علاقہ	تعداد
مغربی پاکستان	۷۰۳۸۷۰
صوبہ سرحد	۴۸۴۹۲
صوبہ پنجاب	۳۶۲۶۷۲
صوبہ سندھ	۲۸۴۱۲۶
صوبہ بلوچستان	۸۶۳۳

ماخذ : گوشوارہ نمبر ۴۶ پاکستان کے زرعی شماریات ۱۹۶۰ء

پیداواری اشاریہ مختلف اضلاع میں

ضلع	زیادہ سے زیادہ پیداواری اشاریہ	کم سے کم پیداواری اشاریہ	کل تعداد و محالات	تعداد محالات جن میں ۳۰ پیداواری اشاریہ سے کم ہیں
پشاور	۱۰۰	۱۴	۷۷	۲۲
ہزارہ	۱۰۰	۱۴	۱۵۵	۳۹
مردان	۱۰۰	۱۷	۴۷	۲۲
ڈیرہ اسماعیل خان	۴۷	۱۵	۴۷	۳۲
بنوں	٦۲	۱۵	۳۷	۲۴
کوہاٹ	۷۰	۱۰	۷۷	۳۵
حیدر آباد	۴۲	۱۷	۳۳	۱۹
نواب شاہ	-۴	۱۱	۲۴	۱۹
لاڑکانہ	۳۴	۲۰	۳۰	۱۴
دادو	۳۰	۱۷	۱۸	۱۵
تھرپارکر	۳۷	۲۵	۲۱	۸
جیکب آباد	۳۴	۲۰	۲۹	۲۷
سکھر	۳۴	۱۷	۳٦	۳۰
ٹھٹھہ	۲۴	۱۴	۲۴	۲۴
خیرپور	۴۰	۳۱	۵	-

سانگھڑ	۳۹	۲۲	۱۲	۶
کوئٹہ	۶۲	۱۶	۱۸	۱۲
پشین	۶۶	۱۳	۱۷	۱۱
سبی	۴۲	۱۰	۹	۶
لاہور	۱۰۸	۲۰	۵۱	۱۱
سیالکوٹ	۷۵	۱۰	۸۹	۳۵
گوجرانوالہ	۸۲	۲۰	۳۲	۳
شیخوپورہ	۸۲	۲۶	۴۷	۵
گجرات	۵۶	۱۸	۴۹	۱۱
سرگودھا	۸۸	۱۸	۳۸	۹
جہلم	۵۹	۱۰	۵۹	۲۶
راولپنڈی	۱۱۷	۱۲	۴۳	۲۰
اٹک	۱۰۰	۱۷	۲۹	۱۰
میانوالی	۴۰	۱۰	۴۱	۲۲
ساہیوال	۷۸	۱۸	۶۹	۲۳
لائل پور	۱۰۸	۲۰	۵۵	۳
جھنگ	۷۰	۲۸	۹۱	۱۱
ملتان	۸۰	۱۴	۱۹۸	۷۲
مظفر گڑھ	۵۰	۱۶	۶۴	۲۸
ڈیرہ غازی خان	۶۰	۱۱	۹۳	۴۰
بہاولپور	۱۰۰	۹	۵۲	۲۱
رحیم یار خان	۱۰۰	۲۲	۵۳	۸

بہاول نگر	۱۰۰	۱۴	۸۰	۲۱

''بنجر قدیم'' اور ''غیر ممکن'' اراضی کے پروڈیوس انڈیکس یونٹ کتابچے میں درج نہیں کئے گئے - مگر کتابچے کی تمہید میں اراضی کی ان اقسام کے پروڈیوس انڈیکس معلوم کرنے کا طریقہ درج کر دیا گیا ہے - محال میں واقع جس اراضی کے کم سے کم پروڈیوس انڈیکس یونٹ ہوں گے - بنجر جدید کے پروڈیوس انڈیکس یونٹ اس کے برابر تصور کئے جائیں گے اور ''بنجر قدیم'' کے پروڈیوس انڈیکس یونٹ ''بنجر جدید'' سے نصف اور غیر ممکن'' اراضی کے ایک چوتھائی کے برابر ہوں گے -

بے زمین کاشتکاروں میں اراضی کی مفت تقسیم

پنجاب کے وزیر مالگزاری ، آبپاشی اور توانائی مسٹر محمد انور سمہ نے ۲۲ فروری ۱۹۷۳ء کو پنجاب اسمبلی میں بتایا کہ زرعی اصلاحات کے تحت چھ ہزار زمیندار دو لاکھ گیارہ ہزار ایکڑ کا اعلان کر چکے ہیں ۔ اس میں سے ایک لاکھ ۶۹ ہزار ایکڑ اراضی کمشن نے واگزار بھی کر لی ہے ۔ ملکیت کا اعلان کرنے والے زمینداروں کی تعداد سب سے زیادہ ملتان میں (۸۴۷) اور سب سے کم سیالکوٹ میں (۴۵) رہی ۔

۳۱ دسمبر ۱۹۷۲ء تک ۱۸۲۳ کاشت کاروں کو ۸۷۰۰ ایکڑ زمین پر مالکانہ حقوق دیئے گئے ۔ فائدہ اٹھانے والوں میں سب سے زیادہ تعداد (۳۳۲) ڈیرہ غازی خاں میں اور سب سے کم سیالکوٹ میں رہی ۔

ہر کاشت کار کو زیادہ سے زیادہ ساڑھے بارہ ایکڑ دیئے گئے ہیں ۔

مصنف کی اطلاع کے مطابق اب تک اڑھائی ہزار بے زمین کاشت کاروں کو مالکانہ حقوق مل چکے ہیں - اراضی کمشن نے ۱,۸۴,۶۶۸ ایکڑ واگزار کئے - لیکن ان میں سے صرف ۱۱,۴۲۹ ایکڑ تقسیم ہو چکے ہیں کیونکہ ۱,۲۹,۶۵۶ ایکڑ کی ملکیت مشترک ہے اور ابھی دعاوی کی چھان بین ہو رہی ہے - واگزار اراضی میں سے ۵,۰۱۲ ایکڑ ایسے ہیں جن پر "واحد مالک" قابض تھے -

جیسا کہ گزشتہ صفحات پر مندرج اعداد و شمار سے ظاہر ہے پنجاب میں اراضی کمشن زیادہ سے زیادہ دو لاکھ ایکڑ واگزار کر سکے گا - اس کے علاوہ کمشن کے پاس ۶,۴۲,۳۲۰ ایکڑ سرکاری اراضی بھی تقسیم کے لئے موجود ہے - اس میں سے ۴,۲۸,۹۹۸ ایکڑ مزروعہ، ۱,۳۷,۵۷۵ ایکڑ غیر مزروعہ اور ۷۵,۶۵۷ ایکڑ ناقابل کاشت ہے -

آخری اطلاع کے مطابق (۲ مارچ ۱۹۷۳ء) سندھ میں دو لاکھ ایکڑ بے زمین کاشت کاروں میں تقسیم ہو چکے ہیں - خیال ہے کہ اس سے اٹھارہ ہزار کنبوں کو فائدہ پہنچے گا -

حکومت کے ایک فیصلہ کے مطابق جو زمین پٹہ پر زمینداروں نے لے رکھی ہے اس کی تجدید نہیں کی جائے گی -

اس مرتبہ جو زمیندار سرکار کے حوالے کرنے کے لئے صرف بنجر زمینوں کا اعلان کریگا اسے سات سال با مشقت قید دی جا سکے گی۔

بے زمین کاشت کاروں کو جو اراضی تقسیم کی جا رہی ہے اس کے لئے ایک سند جاری کی جاتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :

"ملک میں کسانوں کا وقار بحال کرنے کے لئے صدر ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے وعدے کے مطابق یہ قطعہ اراضی آپ کو بلا قیمت دیا ہے۔ (اراضی نمبر ۔ ۔ ۔ ۔) تا کہ آپ اور آپ کے خاندان کے افراد اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ آج سے آپ آزاد ہیں۔"
